گزرا اور بعض کا آگے آرہا ہے اور وہ جھوٹی شہادت بھی ہے جس نے یہود کے اندر ایک کاروبار کی شکل اختیار کر لی تھی، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و عدل کے گواہ بنائے گئے تھے۔ علمائے یہود کی جس اخلاقی و ایمانی موت پر یہاں ملامت فرمائی ہے، آیت کا سیاق دلیل ہے کہ ان کے اوپر یہ موت اس وجہ سے طاری ہوئی کہ وہ خود ان افعال کے مرتکب ہوئے جن میں ان کی قوم کی اکثریت مبتلا تھی۔ ایسی حالت میں ان کی زبانیں ان برائیوں کے خلاف کس طرح کھل سکتی تھیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (۶۴)

یہود کی گستاخی شانِ الٰہی میں

'وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ' اوپر دین اور شعائرِ دین کے ساتھ ان کے مذاق کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب یہ اسی قسم کی ایک اور گستاخی (قولِ اثم) کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ "ہاتھ بندھے ہوئے ہیں" یعنی تنگ ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۸۱ میں گزر چکی ہے۔ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ (اللہ نے ان لوگوں کی بات سن رکھی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ غریب ہے اور ہم امیر ہیں) وہاں ہم نے بتایا ہے کہ قرآن نے جب مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی اور اس دعوت کے لیے یہ مؤثر اسلوب اختیار کیا کہ کوئی ہے جو آج اللہ کو قرضِ حسن دے؟ تو یہود نے اسلام اور قرآن کی تحقیر اور مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے کے لیے اس دعوت کو مذاق بنا لیا کہ آج کل مسلمانوں کے اللہ میاں بہت غریب ہو رہے ہیں، بندوں سے قرض مانگنے کی نوبت آگئی ہے۔ اللہ میاں غریب اور ہم بندے امیر ہیں۔ بعینہٖ اسی موقع کی بات یہاں نقل ہوئی ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ ان دنوں اللہ میاں کا ہاتھ بہت تنگ ہو رہا ہے، نوبت بندوں سے قرض مانگنے تک پہنچ گئی ہے۔

'غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا' یہ جملہ معترضہ کے طور پر، ان کی اس گستاخی پر لعنت اور پھٹکار ہے۔ اس فوری لعنت اور پھٹکار کی وجہ یہ ہے کہ یہود نہ تو اللہ اور اس کی شان سے بے خبر تھے اور نہ دعوتِ انفاق کے اس بلیغ انداز سے۔ وہ ہر چیز سے اچھی طرح واقف تھے لیکن قرآن اور پیغمبر کی عداوت میں ایسے اندھے بہرے ہو گئے تھے کہ تحقیر و استہزا کا جو موقع بھی مل جاتا اس سے فوراً فائدہ اٹھاتے، اس امر کی مطلق پروا نہ کرتے کہ بات کہاں تک پہنچے گی۔

یہود کی شرارتوں کی اصل علت

'بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ الآية' یہ ان کی بات کی تردید کے ساتھ ساتھ اس گستاخانہ رویہ کے اصل سبب سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ یہ کتاب جو تمہاری طرف اتری ہے اس کے حسد نے ان کو اس طرح

بے ضبط بنا دیا ہے کہ جو منہ میں آجاتا ہے وہ بک ڈالتے ہیں۔ قرآن کے سبب سے بنی اسرائیل کے اندر مسلمانوں کے خلاف بغض و حسد کے بھڑک اٹھنے پر تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ اور آل عمران میں بھی بحث ہو چکی ہے اور اس سورہ میں بھی بعض نہایت اہم اشارات گزرے ہیں۔ یہود اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے کہ عربوں کو قرآن کا ملنا صرف قرآن ہی کا ملنا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ امامت و سیادت بھی اب ان کی طرف منتقل ہو رہی ہے جس کے تنہا اجارہ دار اب تک وہ خود بنے بیٹھے تھے۔ اس حسد نے ان کو خدا کا بھی باغی بنا دیا اور اس کے سبب سے ان کے اندر مسلمانوں کے خلاف بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عداوت، اور کینہ کا بیج پڑ گیا۔

مسلمانوں کو تسلی کہ یہود کی کوئی شرارت کامیاب نہیں ہوگی

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ یہ مسلمانوں کو تسکین و تسلی ہے کہ اگرچہ اس عداوت اور حسد کے جوش میں یہ برابر تمھارے خلاف جنگ کی آگ بھڑکائیں گے لیکن اللہ ان کی کسی سعیٔ فساد کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔ بلکہ جب بھی یہ جنگ کی آگ بھڑکائیں گے خدا اس کو بجھا دیا کرے گا۔ یہ بات یہاں ملحوظ رہے کہ کفار نے مسلمانوں پر جب جب بھی چڑھائی کی ہے اس میں یہود کی سازش اور انگیخت کو ضرور دخل رہا ہے۔ اس بات کی طرف ہم پیچھے بھی اشارہ کر چکے ہیں اور آگے سورۂ انفال میں بھی انشاء اللہ ہم اس پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

اس دنیا میں فساد مشائے الٰہی کے خلاف ہے۔

وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ، یہ اوپر کی بات کی وہ دلیل بیان ہوئی ہے جو صفاتِ الٰہی کا مقتضیٰ ہے۔ بقرہ کی تفسیر میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ تمام فساد فی الارض کی اصل قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی اور اس کی مخالفت ہے۔ اس سے کائنات کے تکوینی اور تشریعی نظام میں تصادم واقع ہوتا ہے جس سے اس زمین کی برکتیں اٹھ جاتی ہیں اور اس سے ان فتنوں کو راہ ملتی ہے جن کے سبب سے دنیا شیطان کی بازی گاہ بن جاتی ہے۔ خالقِ کائنات، جس نے یہ دنیا بنائی ہے، اس کو اس کی صلاح و فلاح مطلوب ہے اس وجہ سے وہ ان مفسدانہ کوششوں کو اسی حد تک مہلت دیتا ہے جہاں تک اس کی حکمتِ ابتلا کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس حد سے آگے ان کو بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کو پشت پناہ ان لوگوں کی جدوجہد ہے جو اس دنیا میں نظامِ حق و عدل کے علمبردار ہیں۔ یہی چیز اس کائنات کے مجموعی نظام سے ہم آہنگ اور فطرۃ اللہ کے موافق ہے۔ اس وجہ سے وہ ان کی، اگر وہ حق و عدل کی شہادت کے تقاضے پورے کرتے ہیں، مدد فرماتا ہے اور مفسدین کی مخالفتوں، ریشہ دوانیوں اور جنگ آزمائیوں کے علی الرغم ان کو برومند اور فتحیاب کرتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ (۶۵-۶۶)

'وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا' سیاق و سباق دلیل ہے کہ یہاں ایمان سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے۔ یعنی یہ اہل کتاب حسد و عناد کی اس روش کے بجائے جو انھوں نے اختیار کر رکھی ہے، اگر ایمان و تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیتا اور ان کو اپنی نعمت کے باغوں میں داخل کرتا۔

'وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ الاية' اخروی انعام کے بعد یہ اس ایمان کی دنیوی برکات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اہل کتاب سمجھتے ہیں کہ اگر انھوں نے یہ دعوت قبول کر لی تو وہ اس سیادت و قیادت سے جو اب تک ان کو حاصل رہی ہے، محروم ہو جائیں گے حالانکہ یہ محض ان کی حماقت و بلادت ہے۔ اگر یہ اس کو قبول کرتے تو آسمان اور زمین دونوں کی برکتوں کے دروازے ان کے لیے کھل جاتے لیکن ان میں معقول اور راستی رو تھوڑے نکلے، زیادہ فاسق و بدعمل ہی ہیں۔

'وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ' سے ظاہر ہے کہ قرآن مراد ہے۔ اس کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ تورات اور انجیل کے قائم کرنے کے حوالے سے مقصود ایک تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس چیز کا قائم کرنا صرف اسی کو قائم نہیں کرنا ہے بلکہ یہ درحقیقت تورات و انجیل کو بھی قائم کرنا ہے اس لیے کہ تورات و انجیل دونوں کی اپنی پیشینگوئیوں کے مطابق اب یہی چیز ہے جو تورات اور انجیل سب کی تکمیل کرنے والی اور سب کی محافظ و نگران ہے۔ دوسرا یہ کہ اہل کتاب نے محض دنیا کی متاع حقیر کے لیے، جیسا کہ اسی سورہ کی آیات ۱۲۔۱۵ میں بیان ہوا ہے، اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو توڑا اور تورات و انجیل کو برباد کیا اور اب اسی دنیا کی محبت انھیں اس قرآن کے قبول کرنے سے مانع ہے حالانکہ ان چیزوں کے قبول کرنے کے معنی اس دنیا سے محروم ہونے کے نہیں تھے، اگر یہ تورات و انجیل کو قائم کرتے اور اب اللہ کی اس آخری کتاب کو قبول کرتے اور اس کو قائم کرنے کی جدوجہد میں شریک بنتے تو آسمان و زمین دونوں ان کے لیے اپنے خزانے اگلتے۔ سورۂ اعراف میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے 'وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۹۶' (اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے)

'قائم کرنے' سے مراد زندگی کے معاملات سے ان کا تعلق قائم کرنا ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب اس لیے عطا فرماتا ہے کہ ہم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اس کے احکام و قوانین کے مطابق بسر کریں۔ اگر زندگی کتاب الٰہی سے بے تعلق ہو جائے تو خواہ زبان سے کتاب الٰہی کی مدح میں کتنی ہی قصیدہ خوانی کی جائے نہ یہ کتاب الٰہی کا قائم کرنا ہے اور نہ اس قصیدہ خوانی سے کسی کو 'قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ' کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے بلکہ یہ کھلم کھلا نقض میثاق اور شریعت الٰہی کا ہدم ہے۔

'مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ'، 'قصد' کے معنی سیدھی راہ کے ہیں 'هُوَ عَلٰى قَصْدٍ'، وہ رشد و ہدایت پر ہے

اسی سے مِّنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ (ان میں سے ایک گروہ اپنے معاملہ میں راہِ راست پر ہے) یہ اہل کتاب کے اس قلیل التعداد گروہ کا ذکر ہے جو حالات کے اس ہمہ گیر بگاڑ کے باوجود جس کی تفصیلات اُوپر گزریں، اپنے امکان کے حد تک حق پر قائم رہا اور بالآخر اسلام سے مشرف ہُوا۔

۲۰۔ آگے کا مضمون —— آیات ۶۷-۸۶

پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے تاکید فرمائی کہ ان اہل کتاب کی تم مطلق پروا نہ کرو جو اپنی برتری اور پیشوائی کے گھمنڈ میں سرمست ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کا یہ مزعومہ مقام و مرتبہ تسلیم کرو۔ تمہاری ذمہ داری بحیثیت رسول کے بےخوف لومۃ لائم اس حق کا اظہار و اعلان ہے جو تم پر خدا کی طرف سے نازل کیا جا رہا ہے۔ یہ تمہاری اپنی بات نہیں ہے کہ کسی کی رو رعایت سے تم اس میں کوئی کمی بیشی کر سکو۔ یہ خدا کا پیغام ہے اور تم اس پیغام ہی کو اس کے مخاطبوں تک پہنچانے کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہو۔ اگر اس میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی ہوئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔ اگر اس کے سبب سے وہ تمہارے دشمن ہو جاتے ہیں تو ہو جائیں تم اس کی پروا نہ کرو۔ اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا اور تمہارے خلاف ان کی کسی چال کو کامیاب نہ ہونے دے گا۔

اس کے بعد نہایت آشکارا الفاظ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے، اہل کتاب کو مخاطب کر کے اعلان کر دیا ہے کہ جب تک تم تورات و انجیل اور قرآن کو قائم نہ کرو تمہاری کوئی دینی حیثیت خدا کے ہاں نہیں ہے، خدا کے ساتھ کسی کو کوئی نسبت کسی گروہ کے ساتھ نسبت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ اور آخرت پر ایمان اور عمل صالح کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔

پھر یہود اور نصاریٰ دونوں کے کفر اور ان کے کفریہ اعمال و عقاید کی تصریح کی ہے اور یہود پر ان کے کفر کے سبب سے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰؑ نے جو لعنت کی ہے اس کا حوالہ دیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ان کے کفر کا مسئلہ آج نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ یہ پرانی حکایت ہے۔

آخر میں نصاریٰ کے اس گروہ کی نہایت شاندار الفاظ میں تحسین فرمائی ہے جو حق پر قائم رہا، چنانچہ اس نے قرآن کی دعوت کو اپنے دل کی آواز سمجھا اور دلی جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ کر اس نے اس کو لبیک کہا —— اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۶۷-۸۶

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى

شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ
رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا
وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ
اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا
جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ
فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا
ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَ
اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا
اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ
كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ
وقف لازم
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ

انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ
اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ
وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ
دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ
وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ
ع ۱۱ / ۱۴
كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ
مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ
يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ
سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ
وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ
مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ
قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ
الجزء
اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا
مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا
لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا

رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع

ترجمۂ آیات ۶۷-۸۶

اے رسول، تمھاری طرف جو چیز تمھارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ لوگوں سے تمھاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کافروں کو ہرگز راہ یاب نہیں کرے گا۔ ۶۷

کہہ دو، اے اہل کتاب، تمھاری کوئی بنیاد نہیں ہے جب تک تم تورات، انجیل اور اس چیز کو قائم نہ کرو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے لیکن وہ چیز جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور ان کے کفر میں اضافہ کرے گی تو تم اس کافر قوم پر غم نہ کرو۔ بے شک جو ایمان لائے، جو یہودی ہوئے اور صابئ اور نصاریٰ، جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے تو ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۶۸-۶۹

ہم نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے۔ جب جب آیا ان کے پاس کوئی رسول ایسی بات لے کر جو ان کی خواہش کے خلاف ہوئی تو ایک گروہ کی انھوں نے تکذیب کی اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے اور انھوں نے گمان کیا کہ کوئی پکڑ نہیں ہوگی، پس اندھے اور بہرے بن گئے۔ پھر اللہ نے ان پر رحمت کی نگاہ کی، پھر ان میں سے بہت سے اندھے بہرے بن گئے اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ ۷۰-۷۱

بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ خدا تو یہی مسیح ابن مریم ہے اور حال

یہ ہے کہ مسیح نے کہا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی
رب ہے۔ جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا
ٹھکانا دوزخ ہے اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ان لوگوں نے بھی کفر کیا جنھوں
نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے۔ حالانکہ نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک ہی معبود اور اگر یہ
باز نہ آئے ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں تو ان میں سے جنھوں نے کفر کیا ان کو ایک دردناک
عذاب پکڑے گا۔ کیا یہ اللہ کی طرف رجوع اور اس سے مغفرت طلب نہیں کرتے اور
اللہ مغفرت فرمانے والا اور مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے
بھی بہت سے رسول گزرے ہیں اور ان کی ماں ایک صداقت شعار بندی تھیں۔ دونوں کھانا
کھاتے تھے۔ دیکھو، کس طرح ہم ان کے سامنے اپنی آیتیں کھول کر بیان کر رہے ہیں۔ پھر
دیکھو کہ وہ کس طرح اوندھے ہوئے جا رہے ہیں۔ کہو کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کی بندگی کرتے
ہو جو تمھارے لیے کسی نقصان اور نفع پر اختیار نہیں رکھتی اور سننے والا اور جاننے والا تو
بس اللہ ہی ہے۔ کہہ دو، اے اہل کتاب اپنے دین میں بے جا غلو نہ کرو اور ان لوگوں
کی بدعات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوئے اور جنھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور
جو راہ راست سے بھٹک گئے۔ ۷۲، ۷۷

بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت
ہوئی، یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھ جایا کرتے تھے۔ جس
برائی کو اختیار کر لیتے اس سے باز نہ آتے۔ نہایت ہی بری بات تھی جو یہ کرتے تھے۔ تم ان
میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ نہایت برا توشہ ہے جو انھوں

نے اپنے لیے بھیجا کہ خدا کا ان پر غضب ہوا اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے بنے۔ اگر یہ اللہ پر، نبی پر اور اس پر جو اُس کی طرف اُترا، ایمان رکھنے والے ہوتے تو ان کفار کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے تو اکثر نافرمان ہیں۔ ۷۸-۸۱

تم ایمان والوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور اہل ایمان کی دوستی سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان کے اندر عالم اور راہب ہیں اور یہ تکبر نہیں کرتے۔ اور جب یہ سنتے ہیں اس چیز کو جو رسول کی طرف اتاری گئی ہے تو تم دیکھو گے کہ حق کو پہچان لینے کے سبب سے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہم ایمان لائے تو ہمیں اس کی گواہی دینے والوں میں لکھ۔ اور آخر ہم اللہ پر اور اس حق پر جو ہم کو پہنچا ایمان کیوں نہ لائیں جب کہ ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیکو کاروں کے زمرے میں شامل کرے گا تو اللہ ان کے اس قول کے صلے میں ان کو ہمیشہ رہنے کے لیے ایسے باغ عطا فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور خوب کاروں کا یہی صلہ ہے۔ اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، وہ دوزخ میں پڑنے والے ہیں۔ ۸۲-۸۶

۲۱- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ (۶۷)

اہل کتاب کے لیے ایک اہم پیغام

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ۔ یہ آیت تمہید ہے اس عظیم پیغام کی جو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا جا رہا ہے کہ آپ بے کم و کاست یہود و نصاریٰ کو وہ سنا دیں۔ یہ پیغام آگے آیت ۶۸ سے لے کر آیت ۸۶ تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں نہایت واضح طور پر ان دونوں گروہوں کو

یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک تم تورات و انجیل اور اللہ کی اس آخری کتاب قرآن کو قائم نہ کرو تمھاری کوئی دینی حیثیت نہیں ہے۔ خدا کے ساتھ کسی کو کوئی نسبت کسی گروہ سے نسبت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایمان اور عمل صالح کی بنا پر حاصل ہوتی ہے اور اس سے تم بالکل محروم ہو چکے ہو۔ یہود نے اللہ کے میثاق کو توڑا، اس کے رسولوں کی تکذیب کی یا ان کو قتل کیا اور ڈھیٹ ہو کر اندھے بہرے بن گئے۔ نصاریٰ نے مسیح کی تعلیمات کے بالکل خلاف بت پرستوں کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو اپنا دین بنا لیا اور کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے۔ یہ پیغام بڑا اہم تھا۔ یہود و نصاریٰ دونوں کی دینی حیثیت پر یہ آخری ضرب لگائی جا رہی تھی اور عین اس وقت لگائی جا رہی تھی جب کہ وہ پورا زور اس بات کے لیے لگا رہے تھے کہ مسلمان ان کی دینی حیثیت تسلیم کر لیں، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر رسول کے لفظ سے خطاب کر کے یہ پیغام آپ کے حوالے کیا گیا جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول خدا کا پیغامبر ہوتا ہے اس وجہ سے یہ اس کا فرض منصبی ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ اس پر اتارا جائے وہ بے کم و کاست اس کے مخاطبوں تک پہنچا دے، قطع نظر اس سے کہ اس پیغام سے ان کے اندر کیا ہلچل برپا ہوتی ہے اور وہ پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔

'وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ' یہ تاکید مزید ہے کہ اگر مخاطبوں کی رو رعایت یا اس کے متوقع ردعمل کے اندیشہ سے اس میں کوئی کوتاہی ہوئی تو یہ کوتاہی عین اس فریضۂ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی ہو گی جس کی ادائیگی ہی کے لیے اللہ کسی کو اپنا رسول مقرر کرتا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اس تاکید مزید میں جو شدت ہے اگرچہ اس کا خطاب ظاہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے لیکن حقیقت میں اس کا رخ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کرنا پسند نہیں فرمایا اس وجہ سے پیغمبر کو خطاب کر کے یہ واضح فرما دیا کہ اس پیغام کی اہمیت کیا ہے اور کس قطعیت اور کس حتمی فیصلہ کے ساتھ اس کا بھیجا جانا منظور ہے۔

'وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ' میں 'النَّاس' اگرچہ عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب بالخصوص یہود ہیں۔ یوں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف برابر سازشوں میں مصروف رہتے تھے لیکن آگے آنے والے اعلان کے بعد وہ کسی سمجھوتے کی توقع سے آخری درجے میں مایوس ہو کر اپنی آخری بازی بھی کھیل جانے کے لیے تیار ہو سکتے تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ تم ان کی مخالفت و عداوت کی کوئی پروا نہ کرو۔ ان شیاطین کے ہر شر سے خدا تمھیں محفوظ رکھے گا۔ 'اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ' اللہ ان کی کسی چال کو بھی تمھارے خلاف بامراد نہیں ہونے دے گا۔ 'هَدٰى يَهْدِيْ' کا لفظ ہم دوسرے مقام میں تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ کسی کو اس کی کوششوں اور تدبیروں میں بامراد کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اوپر آیت 'كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ'

اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ میں یہی مضمون دوسرے الفاظ میں گزر چکا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۶۸ - ۶۹)

پیغام کا متن

یہ وہ پیغام ہے جو اہل کتاب کو، عام اس سے کہ وہ یہودی ہیں یا نصاریٰ، سنانے کا آنحضرتؐ کو حکم ہوا۔ وہ یہ ہے کہ جب تک تم تورات، انجیل اور اس چیز کو، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے، قائم نہ کرو اس وقت تک تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے۔ تم اپنے آپ کو ایک برگزیدہ امت، خدا کے محبوب اور چہیتے، برگزیدوں اور چہیتوں کی اولاد، آخرت کی سزا سے محفوظ، خداوند کا خاص گھرانا اور معلوم نہیں کیا کیا بنائے بیٹھے ہو لیکن یہ سب جھوٹی آرزوئیں اور خواب کی باتیں ہیں، جب آنکھ کھلے گی تو دیکھو گے کہ تم ہوا میں اڑتے اور خیالی محل آراستہ کرتے رہے ہو۔ تورات اور انجیل اور خدا کی اتاری ہوئی چیز کو قائم کرنے کا مطلب ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ زندگی کے معاملات و مسائل سے عملاً ان کا ربط قائم کرنا ہے۔ اس سورہ میں تفصیل کے ساتھ یہ بحث گزر چکی ہے کہ یہ خدا کے عہد و میثاق کے صحیفے ہیں۔ ان میں خدا نے اپنے احکام و قوانین دیے اور یہ عہد لیا کہ انہی کے مطابق زندگی گزاری جائے اور انہی کے مطابق باہمی نزاعات کے فیصلے کیے جائیں۔ اسی ذمہ داری کے لیے ان کے حاملین کو قوامین بالقسط اور شُهَدَآءَ لِلّٰهِ کا لقب عطا ہوا۔ اگر اس عہد کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں اور زندگی سے عملاً ان کا کوئی تعلق یا تو سرے سے باقی ہی نہیں رہا ہے یا باقی ہے تو صرف اس حد تک جس حد تک اپنی خواہشوں کی سند اس سے حاصل ہو سکے تو آخر دینی پیشوائی، مذہبی تقدس اور خدا رسیدگی کے یہ سارے دعوے کس بنیاد پر ہیں؟ ایسے لوگوں کو خدا سے کیا تعلق اور خدا کو ایسے لوگوں سے کیا واسطہ؟

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ سے مراد قرآن ہے

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ سے مراد قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کے سوا کوئی اور چیز مراد لینے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ آگے فوراً ہی اس چیز کو مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ کے الفاظ سے تعبیر کر کے بالکل واضح بھی کر دیا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہی ہے۔ یہاں قرآن کی تعبیر وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ کے الفاظ سے کرنے میں اہل کتاب پر اتمام حجت کا ایک پہلو ہے۔ وہ یہ کہ تورات اور انجیل دونوں میں اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ تمہارے پاس اِن اِن صفات کا پیغمبر خدا کا آخری اور کامل صحیفہ لے کر آئے گا تو تم اس پر ایمان لانا، اس کی پیروی کرنا، اس کی مدد کرنا اور اس کی گواہی دینا۔ اسی پہلو کی طرف یہاں اشارہ ہے اور اس موقع پر جبکہ قرآن ان تمام صفات کے مطابق، جو

سابق صحیفوں میں اس کی بیان ہوئیں نازل ہو چکا تو تورات اور انجیل کا قائم کرنا یہی ہے کہ خدا کی اتاری ہوئی اس چیز کو اہل کتاب قائم کریں۔ اس کا قائم ہونا ہی تورات اور انجیل سب کا قائم ہونا ہے۔

قرآن نے یہود کے دبے ہوئے حسد کو بھڑکا دیا

وَلَیَزِیۡدَنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ الایۃ۔ یعنی ہونا تو یہ تھا کہ یہ اس کتاب کے علمبردار بنتے اور اس طرح تورات و انجیل کے قائم کرنے والے بنتے جن کے قائم کرنے کا ان سے عہد لیا گیا تھا اور اپنے عہد و میثاق کی ذمہ داری سے سبکدوش اور عند اللہ و عند الناس سرخرو ہوتے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ اس کتاب نے ان کی سرکشی اور ان کے کفر میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ آگے یہود کی سرکشی اور نصاریٰ کے کفر و شرک کی تفصیل آ رہی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو حسد دبا ہوا ہوتا ہے جب اس کا اصل محرک سامنے آتا ہے تو وہ حسد پوری شدت کے ساتھ بھڑک اٹھتا ہے۔ اہل کتاب کو بنی اسمٰعیل پر غصہ تو پہلے سے تھا کہ آخری رسول کی بعثت ان کے اندر ہونے والی ہے لیکن یہ غصہ دبا ہوا تھا، جب انھوں نے دیکھا کہ یہ چیز واقعہ کی صورت میں ظاہر ہو گئی تو ان کے حسد کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی۔ حالانکہ ان کو سوچنا تھا کہ اگر وہ قرآن کو قبول کرتے اور اس کو قائم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تو کسی دوسرے کا کام نہ کرتے بلکہ خود اپنی ہی ذمہ داری ادا کرتے۔ قرآن کو قائم کرنا، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، صرف قرآن ہی کو قائم کرنا نہیں بلکہ تورات و انجیل کو بھی قائم کرنا تھا اس لیے کہ یہ انھی کی پیشین گوئیوں کی تعمیل ہو رہی تھی لیکن جب کسی قوم کی مت ماری جاتی ہے تو وہ اسی طرح اندھی ہو جاتی ہے چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ ان لوگوں کے حال پر غم نہ کرو۔ انھوں نے اپنی ہلاکت کو خود دعوت دی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَادُوۡا الایۃ۔ یہ آیت بعینہٖ بقرہ میں بھی گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ۶۲۔ بس دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ وہاں صَابِـِٕیۡنَ ہے اور یہاں صَابِـُٔوۡنَ۔ وہاں نصاریٰ کا لفظ صَابِـِٕیۡنَ پر مقدم ہے یہاں مؤخر۔ یہ محض اسلوب کا تنوع ہے۔ صَابِـُٔوۡنَ یہاں محل پر عطف ہونے کی وجہ سے حالت رفع میں ہو گیا ہے۔ اس آیت کے تمام الفاظ بقرہ کی تفسیر میں زیر بحث آ چکے ہیں۔ یہ جس سیاق و سباق میں وہاں وارد ہوئی ہے اسی سیاق و سباق میں یہاں بھی ہے۔ یہ درحقیقت اوپر اہل کتاب کو مخاطب کر کے جو بات ارشاد ہوئی ہے اس کی مزید وضاحت ہوئی ہے کہ خدا کے ہاں کسی کو کوئی درجہ و مرتبہ کسی گروہ کے ساتھ نسبت کی بنا پر حاصل نہیں ہوتا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور عمل صالح کی بنا پر حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ چیز حاصل نہ ہو تو ہر چند کوئی شخص مسلمانوں ہی کے گروہ سے وابستہ ہونے کا مدعی ہو، خدا کے ہاں اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اگر یہ چیز حاصل ہے تو وہ صابئین کے گروہ سے سہی اللہ کے ہاں وہ اپنے ایمان کے اعتبار سے مرتبہ پائے گا۔ مقصود اس آیت کا، جیسا کہ بقرہ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے محض گروہی فخر و غرور کا ابطال ہے نہ کہ اجزائے ایمان کی تفصیل۔ یہاں اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے مراد مسلمان بحیثیت

گروہ کے ہیں جس سے اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ اگر مسلمان بھی ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور عمل صالح سے بے نیاز ہو کر اپنی گروہی نسبت ہی کو نجات کا ضامن سمجھ بیٹھیں تو ان کے لیے بھی یہی حکم ہے بلکہ سرفہرست ان ہی کا نام ہے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (۷۰-۷۱)

یہود کا جرم

اب یہ اس بات کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ کیوں ان اہل کتاب کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی دینی حیثیت نہیں ہے! فرمایا کہ ان سے جس کتاب و شریعت کی پابندی کا عہد لیا گیا تھا اور جس کی تجدید اور یاد دہانی کے لیے اللہ نے یکے بعد دیگرے اپنے بہت سے رسول اور نبی بھی بھیجے، اس عہد کو انھوں نے توڑ دیا اور جو رسول اس کی تجدید اور یاد دہانی کے لیے آئے ان کی باتوں کو اپنی خواہشات کے خلاف پا کر یا تو ان کی تکذیب کر دی یا ان کو قتل کر دیا۔ اس قتل اور تکذیب کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

خدا کی رعایت سے جسارت میں اضافہ

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ الایۃ 'فتنہ' کے معنی آزمائش و ابتلا کے ہیں۔ آزمائش چونکہ پکڑ کی شکل میں بھی ہوتی ہے اور یہاں موقع اسی کا ہے اس وجہ سے ہم نے اس کے معنی پکڑ کے لیے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے رسولوں کی تکذیب اور ان کے قتل کے جو جرائم کیے ان پر ان کی فوری پکڑ نہیں ہوئی تو وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اب کوئی پکڑ ہوگی ہی نہیں، حالانکہ اللہ کی سنت یہ نہیں ہے کہ وہ لازماً ہر جرم کی سزا فوراً ہی دے۔ بلکہ وہ مجرموں کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ توبہ و اصلاح کر لیں اگر چاہیں ورنہ اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لیں۔ بنی اسرائیل نے اس ڈھیل کو اپنے لیے لیسنس سمجھ لیا اور اندھے بہرے بن گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے ان کو پکڑا۔ پھر انھوں نے توبہ و اصلاح کی تو اللہ نے ان پر رحمت کی نگاہ کی لیکن اس کے بعد وہ پھر اندھے بہرے بن گئے۔ لیکن وہ اندھے بہرے بن گئے ہیں تو بن جائیں خدا تو بصیر ہے وہ ان کی ساری کرتوت دیکھ رہا ہے اور جب دیکھ رہا ہے تو لازماً وہ ان کو سزا دیے بغیر بھی نہیں رہے گا۔[۱]

یہود پر دو بڑی تباہیاں

آیت میں بنی اسرائیل کے دو مرتبہ اندھے بہرے بن جانے اور پھر ان پر گرفت ہونے کا ذکر ہے۔ یہاں حذف کا یہ اسلوب ملحوظ رہے کہ ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے پہلے یہ مضمون محذوف ہے کہ اللہ نے ان کو پکڑا تو انھوں نے توبہ و اصلاح کی، جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ پہلی پکڑ کے بعد تو انھوں نے توبہ و اصلاح کی لیکن دوسری پکڑ کے بعد وہ بدستور اندھے بہرے بنے ہوئے ہیں۔ قرآن نے ان کو توبہ و اصلاح کی جو دعوت دی ہے اس سے اپنی شامت اعمال کے سبب سے گریز کر رہے ہیں۔ اس مقام پر میرا ذہن بار

---

[۱] اس آیت کے اشارات کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو۔ تحفہ ۰ ۰۰ ۔۔

بار اس طرف جاتا ہے کہ یہ ان کی تاریخ کی ان دو بڑی تباہیوں کی طرف اشارہ ہے جن میں وہ اپنی بداعمالیوں کے سبب سے شاہ اسور سلمنسر اور شاہ بابل نبوکد نضر کے ہاتھوں مبتلا ہوئے۔ سورۂ بنی اسرائیل آیات ۴۔۸ میں ان حوادث کی طرف اشارہ ہے۔ وہاں ہم انشاء اللہ ان کی تفصیل کریں گے اور دکھائیں گے کہ بنی اسرائیل نے قرآن کا انکار کر کے کس طرح نہ صرف خدا کی دوسری پکڑ سے نجات حاصل کرنے کا راستہ اپنے اوپر بند کر لیا بلکہ ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے اوپر اس کی رحمت کے دروازے بند کر لیے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (۷۲)

نصاریٰ کا جرم

یہود کے بعد اب یہ نصاریٰ کے کفر و شرک کا بیان ہوا تاکہ ان کی حقیقت بھی واضح ہو جائے کہ دین کے پلڑے میں ان کا کیا وزن ہے۔ ان کا ذکر آل عمران ۶۲-۲۲ اور نساء ۱۷۱-۱۷۲ میں بھی ہو چکا ہے۔ وہاں بہت سی باتوں کی وضاحت ہو چکی ہے۔ نساء کی متعلقہ آیات کے تحت ہم نے واضح کیا ہے کہ نصاریٰ حلول اور تثلیث دونوں ہی کے قائل تھے اور یہ دونوں ہی باتیں کفر ہیں۔ یہاں حلول کا کفر ہونا بیان فرمایا ہے۔ آگے والی آیت میں عقیدۂ تثلیث کے کفر ہونے کی تصریح ہے 'اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ'، پر انجیلوں کے حوالے، دوسرے مقام میں، نقل ہو چکے ہیں اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ الآیۃ حضرت مسیح کے کلام کا جزو نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصاریٰ کو تنبیہ ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۷۳-۷۶)

'ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ' عقیدۂ تثلیث کی حقیقت پر آل عمران اور نساء میں بحث گزر چکی ہے۔ اس اسلوب میں اس عقیدے کو تعبیر کرنے سے اس کا گھنونا پن واضح ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ کائنات کا خالق و مالک تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہے لیکن ان ظالموں نے اس کی خدائی کو تین میں تقسیم کر کے اس کو تین کے تیسرے کا درجہ دے رکھا ہے۔

'لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ' یہاں 'مِنْهُمْ' کے لفظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگرچہ عقیدۂ تثلیث، کفر ہے اور اس کے ماننے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے لیکن ان کے لیے توبہ و اصلاح کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے جو ان میں سے قرآن کی دعوت قبول کر کے اپنی اصلاح کر لیں گے۔

وہ اپنے آپ کو اس عذاب سے بچالیں گے لیکن جواب بھی باز نہ آئے تو وہ لازماً اس عذاب سے دوچار ہوں گے چنانچہ اسی مضمون کو واضح کرنے کے لیے اس کے ساتھ اَفَلَا يَتُوبُونَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهٗ الایۃ کا ٹکڑا ملایا ہے۔

سیدنا مسیحؑ کی بشریت کی دلیل

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُولٌ الآیۃ، یعنی مسیح ابن مریم کو تم نے خدا بنا کے رکھ دیا حالانکہ وہ اللہ کے رسولوں میں سے بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بے شمار رسول گزر چکے ہیں۔ جس طرح وہ خدا کے رسول تھے اسی طرح یہ بھی خدا کے رسول تھے۔ مزاج، کردار، دعوت، عبدیت، خشیت اور بشریت ہر چیز میں مشترک اور ایک دوسرے سے مشابہ۔ پھر اسی زمرے کے ایک فرد کو خدائی میں شریک کر دینے کے کیا معنی؟ وَاُمُّهٗ صِدِّيقَةٌ، ان کی ماں جنھوں نے ان کو جنا، خدا کی نہایت وفادار اور صداقت شعار بندی تھیں، مومنہ، عابدہ، قانتہ۔ مزید برآں یہ کہ یہ ماں بیٹے دونوں کھانا کھاتے تھے۔ اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے یہ اسی طرح غذا اور پانی کے محتاج تھے جس طرح ہر انسان ان کا محتاج ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کی دلیل خود انجیلوں میں موجود ہے۔ آخر غذا، پانی اور تمام انسانی ضروریات کی محتاج مخلوق کو خدا یا خدائی میں شریک کس طرح مان بیٹھے ہو؟

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ غذا اور پانی کی احتیاج یوں تو بشریت کی دلیل ہے ہی لیکن اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کے ہاں تو یہ ایک مسلم دلیل بشریت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جب فرشتے بیٹے کی ولادت کی بشارت اور قوم لوط کے لیے عذاب لے کر آئے تو حضرت ابراہیمؑ نے ان کو اول اول بشر سمجھا اور ان کی ضیافت کے لیے ان کے سامنے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا لیکن جب انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو حضرت ابراہیم فوراً تاڑ گئے کہ یہ بشر نہیں بلکہ خدا کے فرشتے ہیں۔

اسی طرح انجیلوں میں خود حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ جب ان کے شاگرد ان کو ایک روح سمجھ کر ان سے ڈرے تو انھوں نے بھنی ہوئی مچھلی کا ایک قتلہ ان کے سامنے کھا کر ان کو اطمینان دلایا کہ وہ کوئی روح نہیں بلکہ آدمی ہیں۔ لوقا میں ہے۔

> "وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ میں آکھڑا ہوا اور ان سے کہا تمھاری سلامتی ہو مگر انھوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا تم کیوں گھبراتے ہو اور کس واسطے تمھارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں۔ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی، جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا کیا یہاں تمھارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے لے کر ان کے

روبرو کھایا۔ لوقا ۲۴: ۳۶-۴۳

أُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيٰتِ الایۃ، 'اُنْظُرْ'، اظہارِ تعجب کے مفہوم میں ہے۔ یہاں بات چونکہ اتنی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ صرف انتہائی غبی یا انتہائی ہٹ دھرم ہی اس کو سمجھنے سے قاصر رہ سکتا ہے اس لیے فرمایا۔ اس وضاحت کے باوجود ان کی کج فہمی اور ہٹ دھرمی دیکھو کہ کس طرح ان کی عقل الٹ کے رہ گئی ہے۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ الایۃ، مطلب یہ ہے کہ انسان کو عبادت تو صرف اس ذات کی کرنی چاہیے جو حقیقی معنوں میں نافع و ضار ہے۔ ایسی ذات صرف خدا کی ذات ہے۔ وہی نافع و ضار بھی ہے اور وہی سمیع و علیم بھی ہے۔ دوسروں کی عبادت سے کیا حاصل جو نہ نافع و ضار ہیں نہ سمیع و علیم۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (۷۷)

نصاریٰ کا غلو

خطاب اگرچہ ظاہر میں عام اہل کتاب سے ہے لیکن اس کا رخ نصاریٰ ہی کی طرف ہے۔ ان کے غلو پر سورۂ نساء کی آیت ۱۷۱ کے تحت مفصل بحث ہو چکی ہے۔ جس طرح یہود کی عام بیماری دین کے معاملے میں تفریط کی رہی ہے اسی طرح نصاریٰ کی عام بیماری افراط اور غلو کی رہی ہے اور یہ افراط و تفریط دونوں ہی چیزیں دین کو برباد کرنے والی ہیں۔ اسی غلو کا کرشمہ ہے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح کو رسول سے خدا بنا ڈالا پھر ان کی ماں اور روح القدس کو بھی خدائی میں شریک کر دیا۔ رہبانیت کا نظام جو انھوں نے کھڑا کیا، اس کے متعلق بھی قرآن نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ ان کے غلو ہی کا کرشمہ ہے۔

نصرانیت تمام تر بت پرست قوموں کی نقالی ہے

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا، 'اَهْوَآء' سے مراد بدعات ہیں۔ بدعات جس قدر بھی ہیں سب خواہشوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ انسان جب اپنی کسی خواہش کو دین بنانا چاہتا ہے تو اس کے لیے کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس پر دین کا ملمع چڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ بدعات کے لیے اس لفظ کو استعمال کر کے قرآن نے ان کے اصل منبع کا پتہ دے دیا۔ 'قوم' سے اشارہ یہاں پال اور اس کے ساتھیوں کی طرف ہے جنھوں نے نصرانیت کا حلیہ بگاڑا اور بت پرست قوموں کی نقالی میں تثلیث وغیرہ کا ڈھونگ رچایا۔ 'قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان تمام بدعات کا مواد انھوں نے اپنی سابق ضلالتوں سے لیا ہے۔ نصرانیت میں داخل ہونے سے قبل وہ جن گمراہیوں میں مبتلا رہے تھے انھی گمراہیوں پر انھوں نے نصرانیت کا ملمع چڑھانے کی کوشش کی اور اس طرح وہ خود بھی شاہراہِ حق سے بھٹکے اور دوسروں کو بھی انھوں نے گمراہ کیا۔ اس اسلوب بیان میں درپردہ نصاریٰ کے لیے یہ تلقین ہے کہ آج جس چیز کو تم نصرانیت سمجھ رہے ہو یہ تمھارے اپنے گھر کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ تمام تر بت پرست قوموں سے برآمد کردہ چیز ہے جو تم پر لاد دی گئی ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (۷۸-۸۱)

یہود پر انبیاء کی لعنت

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الآیۃ یہ بنی اسرائیل کے ذکر کو پھر لے لیا کہ آج تو انھوں نے اپنی پاک دامنی اور برگزیدگی کی حکایت اتنی بڑھا رکھی ہے لیکن ان کا حال یہ رہا ہے کہ داؤدؑ سے لے کر عیسٰی ابن مریم تک ہر نبی نے ان کی حالت پر نوحہ کیا ہے۔ زبور کے مزامیر میں جگہ جگہ ایسی چیزیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی بدعہدیوں سے حضرت داؤدؑ کا دل نہایت زخمی تھا اور اپنی دعاؤں اور مناجاتوں میں انھوں نے بار بار ان پر لعنت کی ہے۔ ملاحظہ ہو زبور باب ۱۲: ۱-۳۔ باب ۵۲: ۳-۶ باب ۵۵: ۴-۱۰-۱۷، باب ۶۸: ۱-۴ باب ۱۰۹، باب ۱۴۰: ۱-۶-۱۱۔ باب ۵۰ کے متعلق بھی شارحین کی تصریح ہے کہ اس میں بنی اسرائیل ہی پر لعنت ہے۔ ان مناجاتوں کا جو انداز ہے اس کی مثال کے لیے ایک مناجات کا ایک ٹکڑا پیش کیا جاتا ہے۔

لیکن خدا شریر سے کہتا ہے
تجھے میرے آئین بیان کرنے سے کیا واسطہ
اور تو میرے عہد کو اپنی زبان پر کیوں لاتا ہے؟
جب کہ تجھے تربیت سے عداوت ہے
اور میری باتوں کو پیٹھ پیچھے پھینک دیتا ہے۔
تو چور کو دیکھ کر اس سے مل گیا۔
اور زانیوں کا شریک رہا ہے
تیرے منہ سے بدی نکلتی ہے۔
اور تیری زبان فریب گھڑتی ہے
تو بیٹھا بیٹھا اپنے بھائی کی غیبت کرتا ہے۔
اور اپنی ماں کے بیٹے پر تہمت لگاتا ہے۔
تو نے یہ کام کئے اور میں خاموش رہا۔
تو نے گمان کیا کہ میں بالکل تجھ ہی سا ہوں۔
لیکن میں تجھے ملامت کر کے ان کو تیری آنکھوں کے سامنے ترتیب دوں گا۔

اب اے خدا کو بھولنے والو! اسے سوچ لو۔

ایسا نہ ہو کہ میں تم کو پھاڑ ڈالوں اور کوئی چھڑانے والا نہ ہو۔" زبور ۵۰: ۱۶-۲۲

سیدنا مسیح کی لعنت

اسی طرح سیدنا مسیح نے بھی ان پر بارہا لعنت کی ہے جس کی مثالیں انجیلوں میں موجود ہیں۔ ہم بخیال اختصار صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لیے نماز کو طول دیتے ہو کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

اے اندھے راہ بتانے والو! تم پر افسوس! جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔

اے احمقو اور اندھو، کون سا بڑا ہے، سونا یا مقدس جس نے سونے کو مقدس کیا اور پھر کہتے ہو کہ اگر کوئی قربان گاہ کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن جو نذر اس پر چڑھی ہوا گر اس کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔ اے اندھو، کون سی بڑی ہے نذر یا قربان گاہ جو نذر کو مقدس کرتی ہے....

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ پودینہ اور سونف اور زیرے پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔

اے اندھے راہ بتانے والو، مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو اوپر سے تو خوب صورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو، تم پر افسوس! کہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راستبازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانے میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے۔ اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھر دو۔

اے سانپو، اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟ اس لیے دیکھو میں نبیوں اور

داناؤں اور فقیہوں کو تمھارے پاس بھیجتا ہوں، ان میں سے تم بعض کو قتل کرو گے اور صلیب پر چڑھاؤ گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے ماروگے اور شہر بہ شہر ستاتے پھرو گے تاکہ سب راست بازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے۔ راست باز ہابل کے خون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریا کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس زمانہ کے لوگوں پر آئے گا۔

اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتی ہے! کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو، تمھارا گھر تمھارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ کیوں کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے جب تک نہ کہو گے کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے۔ متی ۲۳: ۱۴-۳۹

نبیوں کا حوالہ پوری تاریخ کا حوالہ ہے

یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ یہاں ذکر تو صرف حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی لعنت کا ہے لیکن تورات کے صحیفوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی نے بنی اسرائیل پر لعنت کی ہے۔ بعض نبیوں کے الفاظ تو ان سے بھی کہیں سخت ہیں جو زبور اور انجیل سے اوپر نقل ہوئے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ دو نبیوں کا ذکر صرف ابتدا اور انتہا کو واضح کرنے کے لیے ہے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ داؤدؑ سے لے کر مسیحؑ تک ہر نبی نے اس بدبخت قوم پر لعنت کی ہے۔ حضرت داؤدؑ سے بنی اسرائیل کی سیاسی عظمت کی ابتدا ہوتی ہے، یہود کو ان پر بڑا فخر رہا ہے اور حضرت مسیحؑ اسرائیلی سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں اس وجہ سے ان دونوں ناموں کے ذکر سے گویا پوری تاریخ سامنے آگئی۔

جرائم اور جرم پر اصرار موجب لعنت ہے

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ یہ ان کا جرم بیان ہوا ہے بِمَا عَصَوا میں وہ تمام جرائم آگئے جو خدا اور اس کی شریعت کے حقوق سے تعلق رکھتے ہیں اور وَكَانُوا يَعْتَدُونَ میں بندوں کے تمام حقوق آگئے جو ان کے ہاتھوں پامال ہوئے تھے كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوهُ یہ ٹکڑا ان جرائم کی سنگینی کو واضح کر رہا ہے۔ کہ انھوں نے نہ صرف جرائم کیے بلکہ ان کے نبیوں اور راست بازوں نے ان جرائم سے ان کو روکنے کی کوشش کی تو ان کو بھی خاطر میں نہ لاتے بلکہ ان کے دشمن بن گئے۔ کسی قوم کی اخلاقی و ایمانی تباہی کی یہی وہ حد ہے جس پر پہنچ کر وہ اللہ کی سنت کے بموجب لعنت کی مستحق بنتی ہے۔

یہود کی ذہنی پستی کی انتہا

تَرٰى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا، اَلَّذِينَ كَفَرُوا سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ یہود ایک طرف تو اپنی برگزیدگی پر اتنے نازاں تھے کہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، دوسری طرف ان کی ذہنی پستی کا یہ عالم تھا کہ مشرکین مکہ تک سے دوستی و اعتماد کے نہایت گہرے تعلقات رکھتے تھے اور ان کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ قرار دیتے۔ سورۂ نساء میں ان کی اس حالت پر اظہار تعجب بھی

فرمایا ہے اور ان کی اس حرکت کی بنا پر ان پر لعنت بھی کی ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ (۵۱-۵۲ نساء) (کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب الٰہی کا ایک حصہ ملا اور وہ جبت اور طاغوت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت پر ہیں۔ یہی ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر اللہ لعنت کر دے تو ان کا تم کوئی مددگار نہیں پا سکتے) ٹھیک اسی طرح یہاں بھی ان پر لعنت کے ذکر کے بعد اس لعنت کے اسباب میں سے ان کی اس کفر دوستی کا بھی ذکر فرمایا۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ الآیۃ، 'ان سخط اللہ' بیان ہے 'مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ' کا۔ گویا عمل کی جگہ اس کا نتیجہ سامنے رکھ دیا کہ وہ دیکھ لیں کہ جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس کا کیا نتیجہ سامنے آنے والا ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ الآیۃ: 'یُؤْمِنُوْنَ' اپنے حقیقی مفہوم میں ہے۔ 'نبی' سے مراد حضرت موسیٰ اور 'مَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ' سے مراد تورات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ اور موسیٰ اور تورات پر ایمان کا جو دعویٰ کرتے ہیں یہ اپنے اس دعوے میں بالکل جھوٹے ہیں۔ اگر یہ فی الواقع اللہ پر اور اپنے نبی اور اپنی کتاب پر ایمان رکھتے ہوتے تو کبھی کفار و مشرکین کو اپنا دوست نہ بناتے۔ ان میں سے اکثر نافرمان ہیں اور ان کا یہ فعل ہی ان کی نافرمانی پر سب سے بڑی شہادت ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (۸۲)

'قسیس' اور 'رہبان' سے مراد

'قسیس' اور 'رہبان' کے الفاظ عرب کے نصاریٰ اپنے علماء اور زاہدوں کے لیے بولتے تھے جس طرح یہود اپنے علماء اور فقہاء کے لیے 'ربی' 'ربانی' اور 'احبار' استعمال کرتے تھے۔ یہ الفاظ اہل کتاب ہی کے واسطے سے عربی میں آئے۔ چونکہ عرب کے یہود و نصاریٰ کی عام زبان عربی تھی، ان میں بڑے بڑے شاعر اور ادیب تھے، اس وجہ سے ان کی یہ دینی اصطلاحیں عربی ادب میں معروف و مقبول ہو گئیں۔

یہود اسلام دشمنی میں مشرکین کے ہم پلہ

اس آیت میں یہود کو اسلام دشمنی کے اعتبار سے مشرکین مکہ کا ہم پلہ قرار دیا ہے اور یہ گویا اوپر والی بات تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کی تصریح مزید ہے۔ قرآن نے جگہ جگہ اسلام دشمنی کے معاملے میں ان دونوں گروہوں کی ہم مشربی و ہم آہنگی کو نمایاں کیا ہے اور مقصود اس سے، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہود کے زعم برتری و تقدس کی تردید ہے کہ دیکھو جن کو اپنی برتری کا یہ دعویٰ ہے وہ کس گڑھے میں جا کے گرے ہیں اور اسلام دشمنی کے جوش میں کن سے یارانہ انھوں نے گانٹھا ہے۔ حامل کتاب ہو کر

مکہ کے بت پرستوں سے یارانہ، وہ بھی اسلام کی دشمنی ہیں، ایمانی و اخلاقی انحطاط کی آخری حد ہے۔

سیدنا مسیح کے خلیفہ راشد شمعون کے پیرو نصاریٰ

ان کے مقابل میں نصاریٰ کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ مسلمانوں سے قریب ہیں۔ یہاں قرائن دلیل ہیں کہ اس سے مراد یہ عام مسیحی نہیں ہیں جو پال کی ایجاد کردہ مسیحیت کے پیرو، تثلیث و کفارہ وغیرہ کے قائل اور اسلام دشمنی میں تمام اعدائے اسلام کے سرخیل ہیں بلکہ اس سے مراد سیدنا مسیح کے خلیفہ راشد شمعون صفا کے پیرو ہیں جو پال کی تمام بدعات سے بالکل الگ حضرت مسیح کی اصل تعلیم پر قائم رہے اور جن کے باقیات صالحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی دعوت پر اسلام لائے۔ نجاشی وغیرہ اسی باایمان گروہ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ یہاں جو قرائن ہمارے اس نظریے کی تائید میں ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

پال کے پیروؤں کی لفظ نصاریٰ سے بیزاری

ایک یہ کہ ان کی نسبت فرمایا ہے کہ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى (جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ کو اس وقت تک نہ صرف یہ کہ اپنے اس نام کی اہمیت و معنویت کا احساس تھا بلکہ ان کو اس پر فخر بھی تھا۔ یہ فرقہ، جیسا کہ نصاریٰ کی تاریخ سے ثابت ہے، صرف شمعون صفا کے پیروؤں کا تھا، پال کے ماننے والوں کی نسبت ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں کہ وہ اپنے کو نصاریٰ کہلانا حقیر سمجھتے تھے چنانچہ انھوں نے اس کو بدل کر 'مسیحی' نام اختیار کر لیا تھا۔ ولیم بلیکی اپنی بائبل ہسٹری میں لکھتا ہے

"بارنباس اور پال انطاکیہ میں ایک سال تک غیر خدا پرستوں کو نصرانی بنانے میں مصروف رہے۔
معلوم ہوتا ہے اسی سال (۴۳ھ میں) پہلی بار نصرانیت اختیار کرنے والوں کو مسیحی (CHRIS
TIANS) کا نیا اور شاندار نام دیا گیا۔" بائبل ہسٹری - ولیم بلیکی ص ۴۹۷

اس عبارت میں 'مسیحی کا نیا اور شاندار نام' کے الفاظ نگاہ میں رہیں۔ اس سے صاف واضح ہے کہ پال اور اس کے پیرو 'نصاریٰ' کے لفظ کو اپنے لیے حقیر خیال کرتے تھے اور موجودہ مسیحیت تمام تر اسی پال کی ایجاد ہے۔

دوسرا یہ کہ اس گروہ کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں علماء اور زاہد ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ صفت موجودہ عیسائیوں پر صادق نہیں آتی۔ علماء اور زہاد کے الفاظ یہاں نہایت اچھے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ موجودہ کلیسائی نظام کے پروہتوں کے لیے کسی طرح بھی موزوں نہیں ہیں۔ پھر ان کے باب میں فرمایا ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔ مجھے بار بار خیال ہوتا ہے کہ یہ سیدنا مسیح کی اس بات کی طرف اشارہ ہے جو انجیلوں میں ہے کہ "مبارک ہیں وے جو دل کے غریب ہیں، آسمان کی بادشاہی میں وہی داخل ہوں گے۔" موجودہ مسیحی جن کی رعونت کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے اصلی نام کو بھی حقیر سمجھتے ہیں اور اس کی جگہ انھوں نے اپنے لیے ایک نیا نام پسند کیا ہے وہ اس صفت کے مصداق کس طرح قرار دیے جا سکتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ اس گروہ کے متعلق آگے کی آیات میں صاف تصریح ہے کہ یہ سب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑے جوش و خروش کے ساتھ ایمان لائے اور قرآن کا انھوں نے اس طرح والہانہ خیر مقدم کیا گویا وہ مدتوں سے

اس کے لیے سراپا شوق و انتظار تھے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (۸۳-۸۶)

قرآن کے بارے میں اہل نصاریٰ کا طرز عمل

اس گروہ نے جس والہانہ انداز میں قرآن اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کیا یہ اس کی تصویر ہے۔ اس تصویر میں یہ بات، صاف نظر آتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے انجیلوں میں جس تسلی دینے والے اور جس نجات دہندہ کی بشارت دی تھی اور اس کی جو علامتیں بتائی تھیں وہ ان میں سے ایک ایک چیز کو محفوظ کیے ہوئے اس آنے والے کی راہ دیکھتے رہے تھے۔ یہ آنے والا نہایت محبوب تھا اس لیے کہ ان کی تمام امیدیں، دنیا اور آخرت دونوں میں، اب اسی سے وابستہ تھیں، اس کی آمد سے ان کی، ان کے صحیفوں کی اور ان کے نبیوں کی صداقت ثابت ہونے والی تھی اس لیے کہ سب نے اس کی منادی کی تھی، ان کو اس کے ہراول دستہ میں شامل ہونے کی سرفرازیاں حاصل ہونے والی تھیں اس لیے کہ وہ پہلے سے دنیا کے سامنے اس کے گواہ اور اس کے تعارف کرانے والے ٹھہرائے گئے تھے۔ اس کا ظہور خدا کی زمین میں اس آسمانی بادشاہی کا ظہور تھا جس کی مسیح نے بشارت دی تھی اور جس میں اللہ کے وہ سارے بندے حصہ پانے والے تھے جن کے دل غرور اور گھمنڈ کی آلائشوں سے پاک اور خشیت الٰہی کے نور سے معمور تھے۔ چنانچہ ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ قرآن پاک کی آیات سنتے اور ان کے اندر اس حق کی کرنیں جلوہ گر دیکھتے ہیں جس کے انتظار میں بے قراری کی طویل راتیں کاٹ چکے ہیں تو جوشِ مسرت سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں اور وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے رب! ہم اس کتاب پر اور اس کے لانے والے پر ایمان لائے، تو ہمیں اس کی گواہی دینے والوں کے زمرے میں لکھ "گواہی دینے والوں کے زمرے میں لکھ" اس قدیم عہد کا اقرار ہے جس کے وہ پچھلے نبیوں کی امانتوں اور ان کی سپرد کردہ ذمہ داریوں کے حامل ہونے کی وجہ سے پابند تھے۔ وہ عہد جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہ تھا کہ جب آخری نبی، آخری کتاب کے ساتھ آئیں تو تم آگے بڑھ کر خلق کے سامنے گواہی دینا کہ یہی ہیں وہ جن کی ہمارے صحیفوں میں پیشین گوئی تھی۔ اور پھر اس پر خود بھی ایمان لانا اور دوسروں کو بھی اس پر ایمان لانے کی دعوت دینا۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الاٰیۃ یہ ان کی طرف سے از خود اپنے اس اقدام کی تائید میں دلیل ہے کہ جب ہم یہ توقع لیے بیٹھے ہیں کہ خدا ہمیں زمرۂ صالحین میں داخل کرے گا تو آخر اللہ اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے، ایمان لائے بغیر ہمیں یہ توقع کرنے کا کیا حق ہے۔

اوپر فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ، اور پھر وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ میں

ان یہود و نصاریٰ پر نہایت لطیف تعریض بھی ہے جو اپنا سارا زور تو صرف کر رہے تھے اس رسول کی
پیغام رسانی اور داعیانہ جدوجہد کو ناکام بنانے میں لیکن توقع بلکہ دعویٰ یہ رکھتے تھے کہ آخرت کی کامیابیاں
اور جملہ سرفرازیاں تنہا انہی کا حصہ ہیں۔

۲۲- آگے کا مضمون ـــــ آیات ۸۷-۱۲۰

آگے کا حصہ، آخر سورہ تک، خاتمۂ سورہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں انھی باتوں سے متعلق،
جو اس سورہ کے شروع میں بیان ہوئی ہیں یا ان سے تعلق رکھتی ہیں بعض جو سوالات پیدا ہوئے ہیں یا پیدا
ہو سکتے تھے ان کے جوابات دیے گئے ہیں اور یہ اشارہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ یہ توضیحی آیات ہیں۔ ساتھ
ہی یہ بتا دیا ہے کہ جو سوالات ضروری تھے ان کے جوابات دے دیے گئے ہیں، رہے غیر ضروری سوالات تو
ایسے سوالات نزولِ قرآن کے دوران نہ پوچھو۔ غیر ضروری سوالات پوچھ پوچھ کر یہود نے اپنے
اوپر بہت سی قیدیں اور پابندیاں بڑھا لیں، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کو نباہ نہ سکے اور بالآخر کفر میں مبتلا ہوئے۔
آخر میں قیام عدل و قسط اور شہادتِ حق کی اس عظیم ذمہ داری کے تعلق سے، جو اس سورہ میں مرکزی
کی حیثیت رکھتی ہے اور جس کا ذکر آیت ۸ میں ہوا ہے، اس شہادت کی تفصیل بیان ہوئی ہے
جو حضرات انبیاء علیہم السلام قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں دیں گے کہ انھوں نے اپنی اپنی امتوں
کو بے کم و کاست وہ حق پہنچا دیا تھا جس کے پہنچا دینے کی ان پر ذمہ داری ڈالی گئی تھی۔ رہی یہ بات کہ
ان کی امتوں نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تو یہ ان امتوں کی ذمہ داری ہے۔ اس تفصیل سے مقصود یہود
و نصاریٰ کو خصوصاً یہ بتانا مقصود ہے کہ اسی شہادت کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر امت
پر حجت تمام کرے گا اور جس امت نے نبی کی تعلیم و شہادت کے خلاف اللہ کے دین میں کوئی رد و بدل کیا
ہو گا وہ اس کی ذمہ دار ٹھہرے گی۔ یہاں اگرچہ مثال صرف حضرت عیسیٰؑ کی شہادت کی پیش کی گئی ہے، اور
اس کے کچھ وجوہ ہیں جن کی تفصیل اپنے محل میں آئے گی، لیکن مقصود یہ بتانا ہے کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ
تمام انبیاء سے شہادت لے گا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح شہادت دیں گے اور اسی
شہادت کی بنا پر آپ کی اُمت پر حجت قائم ہو گی۔ یہ گویا تنبیہ ہے اس امر کے لیے کہ جو لوگ اب قَوَّامِيْنَ
لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ بنائے جا رہے ہیں اور جن سے شریعتِ الٰہی پر قائم رہنے اور اس کو قائم کرنے کا عہد
لیا جا رہا ہے وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے آخرت کی اس شہادت کو یاد رکھیں۔ گویا سورہ کے شروع
میں اس امت سے جو میثاق لیا گیا ہے، سورہ کے آخر میں اس کی اخروی ذمہ داریوں کی یاد دہانی کر دی گئی۔
یہ آگے کے مضامین کے نظم کو سمجھنے کے لیے چند نشانات کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔ تفصیل آیات
کی تفسیر کے تحت آئے گی۔ اس روشنی میں اب آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۸۷-۱۲۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا
تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ
اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ
بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ
مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ
اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ
اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ
وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ
بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ
ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى
رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ

ع ۱۲ ۲

الصيد تناله ايديكم ورماحكم ليعلم الله من يخافه بالغيب ۚ
فمن اعتدى بعد ذلك فله عذاب اليم ﴿۹۴﴾ يايها الذين
امنوا لا تقتلوا الصيد وانتم حرم ۚ ومن قتله منكم متعمدا
فجزاء مثل ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم
هديا بلغ الكعبة او كفارة طعام مسكين او عدل ذلك صياما
ليذوق وبال امره ۗ عفا الله عما سلف ۚ ومن عاد فينتقم الله
منه ۗ والله عزيز ذو انتقام ﴿۹۵﴾ احل لكم صيد البحر وطعامه
متاعا لكم وللسيارة ۖ وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرما ۗ
واتقوا الله الذي اليه تحشرون ﴿۹۶﴾ جعل الله الكعبة البيت
الحرام قيما للناس والشهر الحرام والهدي والقلائد ۚ ذلك
لتعلموا ان الله يعلم ما في السموت وما في الارض وان
الله بكل شيء عليم ﴿۹۷﴾ اعلموا ان الله شديد العقاب و
ان الله غفور رحيم ﴿۹۸﴾ ما على الرسول الا البلغ ۗ والله يعلم
ما تبدون وما تكتمون ﴿۹۹﴾ قل لا يستوي الخبيث والطيب
ولو اعجبك كثرة الخبيث ۚ فاتقوا الله يا ولي الالباب لعلكم
تفلحون ﴿۱۰۰﴾ ع يايها الذين امنوا لا تسئلوا عن اشياء ان تبد لكم
تسؤكم وان تسئلوا عنها حين ينزل القران تبد لكم
عفا الله عنها ۗ والله غفور حليم ﴿۱۰۱﴾ قد سالها قوم من قبلكم

ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ

وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ

مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ

فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ

الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ

ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ

عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ

الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ

مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ

اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ

بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا

لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١٠٩﴾ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ
مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوحِ
وقف لازم
الْقُدُسِ ۛ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ
الْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ
بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ
بِإِذْنِي ۚ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِي ۚ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآءِيلَ عَنْكَ
إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ
مُّبِينٌ ﴿١١٠﴾ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ اٰمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي ۚ
قَالُوا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يٰعِيسَى
ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ
السَّمَآءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ
نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ
عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ
الربع
عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَ
اٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللّٰهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا
عَلَيْكُمْ ۖ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهُ
أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِينَ ﴿١١٥﴾ وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ
ع ٥
قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۖ قَالَ سُبْحٰنَكَ

مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ع ۱۶ / ۶

ترجمہ آیات ۸۷-۱۲۰

اے ایمان والو، ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ جو خدا نے تمھارے لیے جائز کی ہیں اور نہ حدود سے تجاوز کرو۔ اللہ حدود سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خدا نے تمھیں جو حلال و طیب چیزیں بخشی ہیں ان کو برتو اور اس سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔ تمھاری قسموں میں جو غیر ارادی ہیں ان پر تو اللہ تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جن قسموں کو تم نے پختہ کیا ہے ان پر مواخذہ کرے گا۔ ۸۷-۸۹ سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اس معیار کا جو تم عام طور پر اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے جو اس کی مقدرت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھ دے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے

جب کہ تم قسم کھا بیٹھو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے احکام کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم اس کے شکر گزار رہو۔ ۸۹-۸۸

اے ایمان والو، شراب، جُوا، تھان اور پانسے کے تیر بالکل نجس شیطانی کاموں میں سے ہیں تو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جُوئے میں لگا کر تمہارے درمیان دشمنی اور کینہ ڈالے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو بتاؤ کیا اب تم ان سے باز آتے ہو؟ اور اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور بچتے رہو۔ اگر تم اعراض کرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں پر اس چیز کے باب میں کوئی گناہ نہیں جو انھوں نے کھائی جب کہ انھوں نے تقویٰ اختیار کیا، ایمان لائے اور عمل صالح کیا، پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے، پھر تقویٰ اختیار کیا اور خوبی کے ساتھ اس کا حق ادا کیا اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ ۹۳-۹۰

اے ایمان والو! اللہ تمہاری کسی ایسے شکار سے آزمائش کرے گا جو تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں آ جائے گا تاکہ اللہ دیکھے کہ کون اس سے غیب میں ڈرتا ہے اور جس نے اس کے بعد حدود سے تجاوز کیا تو اس کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ اے ایمان والو! حالت احرام میں شکار نہ کیجیو، اور جو تم میں سے اس کو قصداً مارے گا تو اس کا بدلہ اسی طرح کا جانور ہے جیسا کہ اُس نے مارا ہے، جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر کریں گے۔ یہ نیاز کی حیثیت سے خانہ کعبہ کو پہنچایا جائے

یا کفارہ دینا ہو گا، مسکینوں کو کھانا یا اسی کے برابر روزے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ اپنے کیے کا وبال چکھے۔ جو ہو چکا اللہ نے اس سے درگزر کیا۔ لیکن جو کوئی پھر کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب اور انتقام والا ہے۔ اور تمھارے لیے دریا کا شکار اور اس کا کھانا جائز کیا گیا، تمھارے اور قافلوں کے زادِ راہ کے لیے۔ اور خشکی کا شکار جب تک تم احرام میں ہو، تم پر حرام کیا گیا۔ اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور میں سب حاضر کیے جاؤ گے۔ اللہ نے کعبہ، حرمت والے گھر کو، لوگوں کے لیے مرکز بنایا اور حرمت کے مہینوں، قربانی کے جانوروں اور گلے میں پٹے پڑے جانوروں کو شعیرہ ٹھہرایا۔ یہ اس لیے کہ تم جانو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا بھی ہے اور بڑا بخشنے والا اور مہربان بھی۔ رسول پر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔ کہہ دو کہ ناپاک اور پاک دونوں یکساں نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت تمھیں فریفتہ کرنے والی ہو، پس اللہ سے ڈرتے رہو اے اہلِ عقل تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ۹۴-۱۰۰

اے ایمان والو! ایسی باتوں سے متعلق سوال نہ کرو جو اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں گراں گزریں اور اگر تم ان کی بابت ایسے زمانے میں سوال کرو گے جب قرآن اُتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ نے ان سے درگزر فرمایا۔ اللہ بخشنے والا اور بُردبار ہے۔ اسی طرح کی باتیں تم سے پہلے ایک قوم نے پوچھیں تو وہ ان کے منکر ہو کے رہ گئے۔ اللہ نے تو نہ بحیرہ مشروع کیا، نہ سائبہ، نہ وصیلہ، نہ حام۔ جنھوں نے کفر

کیا ہے وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر سمجھ سے عاری ہیں۔ اور جب ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے اتاری ہے اور رسول کی طرف آؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اس صورت میں بھی جب کہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے رہے ہوں نہ ہدایت پر رہے ہوں؟ اے ایمان والو! تم اپنی فکر رکھو، اگر تم ہدایت پر ہو تو جو گمراہ ہوا وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے، وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔ ۱۰۱-۱۰۵

اے ایمان والو، تمہارے درمیان گواہی بوقت وصیت جب کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچا ہو اس طرح ہے کہ دو معتبر آدمی تم میں سے گواہ ہوں، یا دو دوسرے تمہارے غیروں میں سے اگر تم سفر میں ہو اور وہیں تمہیں موت کی مصیبت آ پہنچے۔ تم ان کو نماز کے بعد روک لو۔ پس وہ اللہ کی قسم کھائیں اگر تمہیں شک ہو کہ ہم اس کے بدلے میں کوئی قیمت قبول نہیں کریں گے اگرچہ کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو بے شک ہم گنہگار ٹھہریں۔ پس اگر پتہ چلے کہ یہ دونوں کسی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان کی جگہ دو دوسرے ان میں سے کھڑے ہوں جن کی مقدم گواہوں نے حق تلفی کی ہے پس وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی سے زیادہ راست ہے اور ہم نے کوئی تجاوز نہیں کیا ہے، اگر ہم نے ایسا کیا ہے تو ہم ظالم ٹھہریں۔ یہ طریقہ اس امر کے قرین ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں یا اس بات سے ڈریں کہ ان کی گواہی کے بعد ان کی گواہی رد ہو جائے گی اور اللہ

سے ڈرو اور سنو۔ اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔ ۱۰۶-۱۰۸

اس دن کو یاد رکھو جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کرے گا پھر پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں، غیب کی باتوں کا جاننے والا تو بس تو ہی ہے۔ جب کہ اللہ کہے گا، اے عیسیٰ ابن مریم! میرے اس فضل کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا۔ جب کہ میں نے روح القدس سے تمہاری تائید کی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گہوارے میں بھی اور ادھیڑ ہو کر بھی۔ اور یاد کرو جب کہ میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دی۔ اور یاد کرو جب کہ تم مٹی سے ایک صورت پرندے کی صورت کی مانند میرے حکم سے بناتے تھے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتی تھی اور تم اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔ اور یاد کرو جب کہ تم مُردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتے تھے۔ اور یاد کرو جب کہ بنی اسرائیل کے شر کو میں نے تم سے دُور رکھا جب کہ تم ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تو ان کے کافروں نے کہا کہ یہ تو بس صریح جادو ہے۔ اور یاد کرو جب کہ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسُول پر ایمان لاؤ تو وہ بولے کہ ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں۔ یاد کرو جب کہ حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تمہارا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے۔ اس نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم سچے مومن ہو۔ وہ بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہم یہ جان لیں کہ تو نے سچ کہا اور ہم اس کی گواہی دینے والے بنیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی، اے اللہ، ہمارے پروردگار، تو ہم پر آسمان سے ایک

خوان اتار جو ہمارے لیے ایک یادگار بن جائے، ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے اور تیری طرف سے ایک نشانی ٹھہرے۔ عطا فرما تو بہترین عطا فرمانے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا، میں یہ خوان ضرور تم پر اتاروں گا لیکن اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے گا تو میں اس کو سزا بھی وہ دوں گا جو جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔ اور یاد کرو جب کہ اللہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوا معبود بناؤ۔ وہ جواب دے گا تو پاک ہے، میرے لیے کیسے روا تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے یہ کہی تو تُو اُسے جانتا ہے۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے، پر میں نہیں جانتا جو تیرے دل میں ہے۔ غیب کی باتوں کا جاننے والا تو بس تو ہی ہے۔ میں نے تو ان سے وہی بات کہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ اور میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو تُو ہی ان پر نگران رہا اور تُو تو ہر چیز پر گواہ ہے ہی۔ اگر تو ان کو سزا دے، تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو تُو غالب اور حکمت والا ہے۔ اللہ فرمائے گا آج سچوں کو ان کی سچائی کے نفع پہنچانے کا دن ہے۔ ان کے لیے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۱۱۰-۱۲۰

۲۲- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (۸۷-۸۸)

طیبات کی وضاحت

'طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ' اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں ہمارے لیے حلال ٹھہرائی ہیں اگرچہ وہ سب طیبات کے حکم میں ہیں، اس وجہ سے یہاں اس لفظ کے اضافہ کی بظاہر ضرورت نہیں معلوم ہوتی لیکن اس کا ایک خاص فائدہ ہے۔ وہ یہ کہ بعض اوقات چیز تو فی الاصل جائز ہوتی ہے لیکن کسی خارجی سبب سے اس کو خباثت لاحق ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک جانور حلال ہے لیکن اس کو ذبح نہیں کیا گیا یا ذبح تو کیا گیا لیکن اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا یا اس کو کسی تھان یا استھان کی نذر کیا گیا تو ان صورتوں میں وہ جانور جائز ہونے کے باوجود طیب و پاکیزہ نہیں رہے گا۔ اس وجہ سے وہ ناجائز قرار پائے گا۔

'اعتداء' کا مفہوم

'لَا تَعْتَدُوْا' یہاں 'لَا تُحَرِّمُوْا' کا مقابل ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کی جائز کردہ چیزوں میں سے 'طیبات' کو حرام ٹھہرانا جائز نہیں ہے اسی طرح اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال بنا لینا بھی جائز نہیں ہے۔ یہ 'اعتداء' یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری چیزیں ہمارے لیے پیدا کی ہیں، ہمیں ان کے کھانے پینے اور برتنے کی اجازت ہے۔ گنتی کی چند چیزیں ہیں جو حرام قرار دی گئی ہیں۔ ان کی حیثیت اللہ کے حدود کی ہے اور حدود کو لانگنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ان حدود سے آگے بڑھنے کی جسارت کرتا ہے تو وہ محارم الٰہی کے حدود میں مداخلت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے گستاخوں اور بے وقوفوں کو پسند نہیں کرتا۔ 'پسند نہیں کرتا'، یعنی ان سے نفرت کرتا ہے۔ لفظ 'اعتداء' کا یہی مفہوم آگے آیت ۹۴ میں بھی ہے۔

بعض سوالوں کے جواب

ہم اوپر تمہید میں اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سورہ کے شروع میں جو احکام بیان ہوئے ہیں ان سے متعلق جو سوالات بعد میں پیدا ہوئے یا پیدا ہو سکتے تھے اب آخر میں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ پیچھے مڑ کر سورہ کی آیات ۱-۲ پر نظر ڈال لیجیے۔ عہد و پیمان کی پابندی کی تمہید کے بعد یہ بتایا ہے کہ تمہارے لیے تمام چوپائے جائز ٹھہرائے گئے ہیں بجز چند مستثنیات کے جو یہ ہیں۔ اب ان سے متعلق کتنے سوالات ہیں جو ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر اللہ کے نام پر باندھے ہوئے عہد و پیمان کی پابندی کی اہمیت دین میں اس درجہ ہے تو کوئی شخص اگر شریعتِ الٰہی کے خلاف کسی چیز کو اپنے اوپر حرام یا حلال ٹھہرانے کی قسم کھا بیٹھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یا کوئی شخص اپنی کھائی ہوئی قسم کو توڑ دے تو اس کے باب میں کیا ہدایت ہے؟ اگر شعائر الٰہی، ہدی اور قلائد وغیرہ کی حرمت کی اس درجہ تاکید ہے تو جو جانور قدیم زمانے سے مذہبی رسوم ہی کی بنا پر محترم چلے آ رہے ہیں، مثلاً بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام، ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ یہ اور ان کے علاوہ دوسرے متعدد سوالات ابتداء میں بیان کردہ احکام سے متعلق پیدا ہوئے۔ اب یہ قرآن نے ان سوالوں کو لیا ہے۔ اور آگے کی آیات میں ان کے جواب دیے ہیں۔

تحریم کا مفہوم

سب سے پہلے یہ جامع اور اصولی بات فرمائی کہ خدا کی شریعت نے جو چیز جائز ٹھہرائی ہے اس کو نہ تو حرام قرار دو اور نہ جن چیزوں سے روکا ہے ان کو جائز بناؤ۔ حرام ٹھہرانے سے مراد کسی شے کو اس حیثیت سے اپنے لیے یا دوسروں کے لیے ممنوع ٹھہرانا ہے کہ اس کے متعلق وہ یہ گمان یا دعویٰ کرے کہ یہ خدا کا حکم ہے، یا اس پر عذاب و ثواب مترتب ہوتا ہے یا یہ نیکی اور فضیلت میں داخل ہے۔ اگر اس قسم کی کوئی بات نہ ہو بلکہ مجرد ذوق یا باقتضائے صحت یا بربنائے احتیاط و کفایت کسی چیز کا استعمال کوئی شخص ترک کر دے تو یہ چیز تحریم میں داخل نہیں ہے۔

اپنے جی سے تحریم و تحلیل حدود الٰہی میں مداخلت ہے

یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ یہ تحریم و تحلیل حاکمیت الٰہی کے حدود میں مداخلت اور نقض میثاق کا نہایت وسیع دروازہ ہے۔ یہ مداخلت جس طرح حرام کو حلال کرنے کی راہ سے ہوتی ہے اسی طرح حلال کو حرام قرار دینے کی راہ سے بھی ہوتی ہے۔ حرام کو حلال کرنے کی راہ تو زیادہ تر خواہشاتِ نفس کی تحریک سے کھلی ہے لیکن حلال کو حرام ٹھہرانے کے معاملہ میں زیادہ دخل مشرکانہ عقائد و اوہام کو رہا ہے چنانچہ مشرکین عرب نے اپنے مشرکانہ تصورات کے تحت بہت سی چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ آگے آیت ۱۰۳ میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کا ذکر آ رہا ہے۔ مزید تفصیل سورۂ انعام میں یوں آئی ہے۔ وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۱۳۸-۱۳۹ (اور وہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں چوپائے اور فلاں فلاں قسم کی زمینی پیداوار حرام ہے، ان کو نہیں کھا سکتے مگر وہی جن کو ہم بتائیں۔ ان کا یہ دعویٰ محض اٹکل پچو ہے۔ اور کچھ جانور ہیں جن پر سواری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ پر خدا کا نام نہیں لیتے، خدا پر جھوٹ باندھتے ہوئے، اللہ ان کے اس افترا کا ان کو جلد بدلہ دے گا اور وہ کہتے ہیں کہ جو بچے فلاں ماداؤں کے پیٹ میں ہیں وہ خاص مردوں ہی کے لیے جائز ہیں، عورتوں کے لیے وہ حرام ہیں اور اگر وہ مردہ پیدا ہوں تو مرد اور عورت دونوں ان کو کھا سکتے ہیں، اللہ ان کے اس فتوے کی ان کو جلد سزا دے گا، وہ حکیم و علیم ہے) اسی طرح یہود کے متعلق بھی قرآن میں بیان ہوا ہے کہ بہت سی چیزیں انھوں نے اپنے من گھڑت فتووں، اپنے لایعنی سوالات اور اپنے مشرکانہ اوہام کی بنا پر اپنے اوپر حرام کر لیں۔ قرآن نے اس قسم کی خود مختارانہ تحریم و تحلیل کو توحید اور ایمان کے منافی قرار دیا۔ فرمایا کہ تمام حلال و طیب چیزیں جو خدا نے تمھیں بخشی ہیں ان کو کھاؤ پیو اور برتو، اپنے زمانۂ جاہلیت کے توہمات کی بنا پر ان سے احتراز نہ کرو اور اس اللہ سے ڈرو جس پر ایمان لائے ہو۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۸۹)

شریعتِ الٰہی میں قسم کی اہمیت

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ۔ اس ٹکڑے میں جو مضمون بیان ہوا ہے، یہی مضمون، معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ، سورۂ بقرہ آیات ۲۲۴ - ۲۲۵ میں گزر چکا ہے۔ وہاں ہم نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ وہاں مسئلہ ایلاء کے تعلق سے قسم کی اہمیت کا ذکر ہوا تھا یہاں اوپر کی بیان کردہ تحریم و تحلیل کے تعلق سے اس کا ذکر ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی غیر ارادی قسموں پر تو کوئی مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جو قسمیں دل کے عزم و ارادہ سے ظہور میں آئیں گی، جن کے ذریعہ سے کوئی عہد و پیمان بندھے گا، جن سے حقوق و فرائض پر کوئی اثر مترتب ہوگا، جو کسی پہلو سے شریعت کی تحریم و تحلیل پر اثر انداز ہوں گی، ان پر اللہ ضرور مواخذہ فرمائے گا۔ اللہ کے نام کو، جیسا کہ بقرہ میں فرمایا ہے، خلافِ شرع یا جھوٹی قسموں کا ہدف بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ قسم قول و قرار، شہادت اور عہد و پیمان کی بنیاد ہے اور عہد و پیمان نہ صرف تمام معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی حقوق و فرائض کی اساس ہے بلکہ، جیسا کہ ہم اس سورہ کی پہلی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں، اس عہد و میثاق کی بھی اساس ہے جو ہم نے اپنے رب کے ساتھ باندھا ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ آدمی قسم کے معاملہ میں نہایت محتاط رہے، کوئی قسم بے ضرورت یا خلافِ شرع نہ کھائے، جو قسم کھائے خلافِ شرع نہ ہو تو وہ پوری کرے، اگر کوئی قسم کھانے کے بعد توڑے تو اس کا کفارہ ادا کرے تاکہ وہ قسم کے معاملے میں سہل انگار، بے پروا اور بالکل غیر ثقہ اور ناقابلِ اعتبار آدمی بن کے نہ رہ جائے۔ اس لیے کہ اس قسم کا آدمی نہ معاشرے کی ذمہ داریوں کا اہل ہے نہ میثاقِ الٰہی کی ذمہ داریوں کا۔

قسم کا کفارہ

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ الایۃ۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اس معیار کا کھانا کھلائے جس معیار کا کھانا وہ اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہے یا ان کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے۔ اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ دے۔

قرآن میں توضیحِ آیات کا مفہوم

كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ توضیحی آیات ہیں جو بعد میں پیدا ہونے والے سوالات کے، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، جواب میں نازل ہوئیں۔ شریعت و ہدایت تمام تر اللہ تعالیٰ کے بندوں پر فضل و احسان ہے اور اگر اس کے کسی اجمال کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو جائے تو یہ اس کا مزید احسان ہے، پھر اس توضیح میں اگر بندوں کے لیے سہولت کے بھی بہت سے پہلو ملحوظ ہوں، جیسا کہ غیر ارادی قسموں اور کفارہ کے معاملہ میں یہاں ملحوظ ہیں، تو گویا احسان

کے گوناگوں پہلو جمع ہوئے۔ اس کا فطری تقاضا یہی ہو سکتا ہے کہ بندے اپنے پروردگار کے زیادہ سے زیادہ شکر گزار بنیں۔ اگر اس ساری توضیح و تفصیل کے بعد بھی انھوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی تو یہ انتہائی کفرانِ نعمت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ (۹۰-۹۱)

ہر نشہ آور چیز خمر ہے

خمر اور میسر پر بقرہ ۲۱۹ میں اور انصاب و ازلام پر مائدہ ۳ میں بحث گزر چکی ہے۔ شراب اور جوا، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ہم بیان کر آئے ہیں، دونوں توام بیماریاں ہیں۔ کم از کم عرب جاہلیت کی سوسائٹی میں ان کی حیثیت یہی تھی۔ خمر کے متعلق یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ اس کا اطلاق صرف انگوری شراب ہی پر ہوتا ہے۔ کلام عرب سے اس کی تائید نہیں ہوتی اور ہو بھی تو شراب کی حرمت کی اصل علت، جیسا کہ نساء کی آیت ۴۳ سے واضح ہے، اس کے اندر نشہ کا پایا جانا ہے۔ اس وجہ سے ہر نشہ آور چیز کا حکم یہی ہوگا، خواہ وہ انگوری ہو یا غیر انگوری۔ اور شریعت کے اس حکیمانہ اصول کے مطابق کہ جس کی مقدار کثیر حرام ہے اس کی مقدار قلیل بھی حرام ہے، اس کی ہر مقدار حرام ہوگی تاکہ فتنہ کا دروازہ کلیۃً بند ہو جائے۔

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔ 'رجس' اور 'نجس' پر دوسرے مقام میں ہم بحث کر چکے ہیں۔ معناً ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ، یعنی یہ شیطان کی ایجادات اور اس کی کارستانیوں میں سے ہیں اور یہ حربے اس نے اس لیے ایجاد کیے ہیں کہ بنی آدم کو شریعت کی صراطِ مستقیم سے بھٹکانے کا جو عہد اس نے کر رکھا ہے اس کو پورا کر سکے۔ ان کے اندر اگر کوئی پہلو نفع کا نظر آتا ہے تو یہ محض ایک نظر فریب طمع ہے۔ ان کا ضرر ان کے نفع کے مقابل میں، جیسا کہ بقرہ کی تفسیر میں واضح ہو چکا ہے، اتنا زیادہ ہے کہ اس کے سامنے اس حقیر نفع کی کوئی قیمت نہیں۔

جوئے اور شراب کے اثرات معاشرے پر

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ میں 'فی' اشتغال و انہماک کے مضمون پر دلیل ہے، یعنی شیطان نے یہ فتنے اس لیے ایجاد کیے ہیں کہ تمھیں ان میں لگا کر تمھارے درمیان برابر دشمنی اور انتقام کی آگ بھڑکاتا رہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ جس معاشرے میں یہ وبا پھیل جائے اس میں بالآخر عفت، عزت، ناموس اور وفا و حیا کا احساس مٹ جائے گا، جیسا کہ مغرب زدہ سوسائٹی میں آج مشاہدہ ہو رہا ہے اور یہ بجائے خود ایک عظیم حادثہ ہے اور اگر ان کی کوئی رمق باقی رہے گی تو ناگزیر ہے کہ آئے دن ان کی بدولت تلواریں کھنچی رہیں۔ عرب عفت و عصمت، خودداری اور غیرت کے معاملے میں بڑے حساس تھے اور یہ ان کی بہت بڑی خوبی تھی لیکن ساتھ ہی شراب اور جوئے کے بھی رسیا تھے۔ اس وجہ سے جام و سنداں کی یہ بازی ان

کے لیے بڑی منگی پڑ رہی تھی۔ جہاں کسی نے شراب کی بدمستی میں کسی کے عزت و ناموس پر حملہ کیا، کسی کی تحقیر کی، کسی کو چھیڑا یا جوئے میں کوئی چھینا جھپٹی کی (اور یہ چیزیں جوئے اور شراب کے لوازم میں سے ہیں) وہیں فریقین تلواریں سونت لیتے اور افراد کی یہ لڑائی چشم زدن میں قوموں اور قبیلوں کی جنگ بن جاتی اور انتقام در انتقام کا ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا کہ صرف مہینے اور سال نہیں بلکہ پوری صدی گزار کر بھی یہ آگ ٹھنڈی نہ پڑتی۔ چنانچہ عرب کی تاریخ میں ایسی جنگیں موجود ہیں جن کی آگ جوئے یا شراب خانہ خراب ہی نے بھڑکائی اور پوری ایک صدی تک وہ آگ نہ بجھی۔ بہر حال یہ چیز یا تو دیوث بناتی ہے یا خانہ خراب، اور ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کو کوئی سلیم الفطرت معاشرہ گوارا کر سکے۔

خدا [illegible] زندگی کے حقائق سے غفلت ہے

'وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ'، 'ذِكْرَ اللّٰه' کے بعد 'صَلٰوة' کا ذکر عام کے بعد خاص کا ذکر ہے جس سے ان دونوں کا ربط واضح ہوتا ہے۔ اسلام نے زندگی کی تمام رفعت و عظمت ذکر الٰہی کے ساتھ وابستہ کی ہے۔ جو شخص خدا سے غافل ہوا وہ خود اپنی قدر و قیمت سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے 'نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ' میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ کی یاد کا خاصہ یہ ہے کہ وہ انسان کو زندگی کی اصل حقیقتوں سے کبھی بے پروا نہیں ہونے دیتی جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کبھی راہ سے بے راہ نہیں ہوتا۔ اگر کبھی کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو خدا کی یاد اس کو سنبھال لیتی ہے۔ برعکس اس کے شراب کا اصل اثر جو انسان پر پڑتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ اس کو زندگی کی اصل حقیقتوں سے ہٹا کر ایک خیالی دنیا میں لے جا کر پھینک دیتی ہے اور اس خیالی دنیا کا وہ ایسا دیوانہ ہو جاتا ہے کہ پھر جس طرح سگ گزیدہ پانی سے ڈرتا ہے اسی طرح وہ زندگی کی اصل حقیقت سے ڈرنے لگتا ہے۔ کبھی اس سے رو در رو ہونے کی جرأت نہیں کرتا اور اسی حال میں ایک دن اس کی زندگی کا قصہ تمام ہو جاتا ہے ——— اب ذرا اس انسان کی بدبختی پر غور کیجیے جو زندگی بھر خواب دیکھتا رہا اور کبھی اس کو جاگنے اور زندگی کے انجام پر غور کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

عربی میں استفہام کے مختلف مفہوم

'فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ'، استفہام عربی زبان میں جیسا کہ استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اسالیب القرآن میں وضاحت فرمائی ہے، تاکید، اقرار، تنبیہ، انکار، زجر، امر اور تحقیر کے مفہوم کے لیے آتا ہے۔ یہاں موقع دلیل ہے کہ یہ امر کے مفہوم میں ہے، جس طرح سورۂ ہود آیت ۱۴ میں 'فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ' (تو کیا اب تم مسلمان بنتے ہو) ہے۔ اس اسلوب میں امر کے ساتھ زجر، موعظت، تاکید و تنبیہ اور اتمام حجت کا مضمون بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں غور کیجیے تو اسلوب کلام اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ شراب اور جوئے کے مفاسد کی تفصیل اتنے مختلف مواقع پر اور اتنے مختلف پہلوؤں سے تمہارے سامنے آ چکی ہے کہ اب اس معاملے میں کسی کے لیے بھی کسی اشتباہ کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے تو بتاؤ اب بھی اس سے باز آتے ہو یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ امر کے سادہ اسلوب میں یہ سارا مضمون نہیں سما سکتا تھا۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۹۲)

یہ اوپر والی تنبیہ کی مزید تاکید ہے کہ شیطان کے بچھائے ہوئے جال سے نکل کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور نافرمانی و سرکشی سے بچو۔ اگر اس توضیح و تنبیہ کے بعد بھی تم نے اعراض کیا تو ذمہ داری تمھاری ہوگی، رسول کی ذمہ داری تو صرف خدا کے امر و نہی سے واضح طور پر آگاہ کر دینا ہے اور یہ فرض رسول نے ادا کر دیا جس کے بعد تم پر اللہ کی طرف سے حجت پوری ہو چکی۔ اس اتمام حجت کے بعد اب جو بے راہ روی اختیار کریں وہ اس کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو کر کریں۔ اس لیے کہ اتمام حجت کے بعد اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہوتی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۹۳)

شریعت الٰہی کا مطالبہ

اوپر فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ کے اسلوب میں جو زجر و توبیخ مضمر ہے اس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ اسلوب بیان کی اس شدت نے ان لوگوں کو متاثر کیا ہوگا جو شراب کے معاملے میں اُس رخصت سے اب تک فائدہ اُٹھاتے رہے تھے جو انھیں حاصل تھی۔ انھوں نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ شراب کے باب میں بالکل پہلی ہی تنبیہ پر دوسرے بہت سے محتاط اور پیش بین صحابہؓ کی طرح انھوں نے بھی شراب سے یک قلم توبہ کر لی ہوتی تو خوب ہوتا، ممکن ہے یہ تاخیر جو ان سے ہوئی آخرت میں ان کی کوتاہی میں محسوب ہو اور اس پر کوئی گرفت ہو جائے۔ خاص طور پر اس دوران میں جو لوگ وفات پا چکے ہوں گے ان کے باب میں محتاط لوگوں کے اندر تشویش پیدا ہوئی ہوگی کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ آیت زیر بحث نے اس قسم کے سارے شبہات دور کر دیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پرسش کسی ایسی چیز کے کھانے پینے پر نہیں ہوگی جس کے بارے میں کسی صریح ممانعت کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں ہوا ہے۔ شریعتِ الٰہی کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ جس چیز کے باب میں جو حد جب معین ہو گئی لوگ اس حد کا احترام کریں، پھر اگر اس حد میں کچھ اضافہ شریعت کی رُو سے ہو جائے تو اس کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کر لیں اور اگر اس پر مزید اضافہ ہو جائے تو اس کو بھی اختیار کر لیں اور پھر پوری خوبی، پوری احتیاط اور پورے اخلاص کے ساتھ اس کو نباہیں۔

شریعت میں تدریج بندوں کی سہولت کے لیے ہے

اس آیت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی کہ شریعت الٰہی میں احکام کا نزول بالتدریج ہوا ہے اور یہ تدریج بندوں کی سہولت کے پہلو سے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں پر وہ گرفت نہیں فرمائے گا جنھوں نے اس کی بخشی ہوئی سہولت سے فائدہ اٹھایا ہے، اگرچہ ان لوگوں کو سبقت الی الخیر کا درجہ ملے گا جنھوں نے کسی باب میں ہوا کا رُخ پہچان کر اس کے پہلے ہی مرحلہ میں احتیاط اور تقویٰ کا آخری قدم اُٹھا دیا۔ مثلاً شراب کی حرمت کا حکم بالتدریج نازل ہوا لیکن دین کے معاملے میں جن کی حس زیادہ تیز تھی وہ پہلے ہی مرحلہ میں اس سے تائب ہو گئے۔ یہ ان کے کمال درجہ فطرت اسلام پر ہونے کی دلیل ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر بھی رحم فرمائے گا جنھیں اگرچہ یہ درجۂ کمال تو حاصل نہ ہو سکا

لیکن انھوں نے کسی مرحلہ میں حدودِ الٰہی سے تجاوز نہیں کیا۔

تدریج کے مراحل

دوسری بات آیت کے الفاظ سے یہ نکلتی ہے کہ اس تدریج کے تین مدارج ہیں۔ یہ بات ایک کلیہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ عمومیت کے لحاظ سے ہے۔ بعض معاملات میں قطعی اور آخری حکم پہلی ہی مرتبہ میں آگیا ہے، بعض میں دوسری مرتبہ میں اور بعض میں حکم کی تکمیل تیسری بار میں ہوئی ہے۔ مثلاً کھانے پینے کے سلسلہ کی حرمتوں کا اجمالی ذکر سورۂ انعام میں بھی ہوا ہے، جو ایک مکی سورہ ہے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل اس سورہ (مائدہ) کے آغاز میں آئی ہے جس سے انعام کے بعض اجمالات کی وضاحت ہوئی ہے پھر اس سلسلہ میں کچھ مزید سوالات پیدا ہوئے ہیں جن کی تقریب سے بعض چیزوں کی حرمت، جیسا کہ واضح ہوگا، یہاں اس سورہ کے خاتمہ میں بیان ہوئی اور یہ سورہ، جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں، احکامِ شریعت کے باب میں آخری سورہ ہے۔ اس وجہ سے گویا اس تیسرے مرحلہ میں کھانے پینے سے متعلق احکام کی تکمیل ہو گئی۔ یہ آیت یہ واضح کر رہی ہے کہ جو لوگ ان تینوں مرحلوں میں اللہ کے نازل شدہ احکام و حدود کی پیروی کرتے آئے ہیں ان سے ان چیزوں کے کھانے پر کوئی گرفت نہیں ہوگی جو انھوں نے اس وقت کھائی ہیں جب ان کی صریح حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔

تقویٰ، ایمان اور احسان

تیسری بات یہ سامنے آتی ہے کہ آیت میں تین بار تقویٰ کا ذکر ہوا ہے۔ پہلی بار تقویٰ کے ساتھ ایمان و عمل صالح کا ذکر ہے، دوسری بار ایمان کا ذکر ہے، تیسری بار احسان کا ذکر ہے۔ تقویٰ کا مفہوم ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اصلاً یہ لفظ حدودِ الٰہی کی نگہداشت کے لیے آتا ہے۔ یہاں تین بار اس کا حوالہ احکام کے ان تدریجی مراتب کے لحاظ سے ہوا ہے جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا۔ رہا تقویٰ کے ساتھ ایمان و عمل صالح کا حوالہ تو وہ اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر صرف کسی چیز سے بچنا نہیں بلکہ وہ بچنا معتبر ہے جو ایمان و عمل صالح کے ساتھ ہو۔ اس قید کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ بہت سی چیزوں سے بچنے کے معاملے میں (بالخصوص کھانے پینے کی چیزوں کے معاملے میں) بہت سے لوگ بڑے محتاط اور متقشف ہوتے ہیں حالانکہ ایمان و عمل صالح سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جوگیوں، سنیاسیوں اور راہبوں سے قطع نظر جو لوگ اعمالِ سفلیہ کے دلدادہ ہوتے ہیں وہ بھی اپنے اوپر بہت سی پابندیاں عاید کر رکھتے ہیں اور بڑی سختی کے ساتھ ان کی نگہداشت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس چیز کا دین میں کوئی اعتبار نہیں۔ اعتبار صرف اس احتیاط کا ہے جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ہو۔ آخر میں تقویٰ کے ساتھ احسان کی جو شرط ہے وہ اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ دین میں جو تقویٰ مطلوب و مقبول ہے وہ صرف ظاہر داری اور رسوم کی خانہ پری سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے آخری شرط احسان ہے۔ احسان کا مدعا یہ ہے کہ آدمی اللہ کے حدود کی خلاف ورزی سے اس طرح بچے جس طرح اس سے بچنے کا حق ہے، وہ ہر حکم کی تعمیل اس طرح کرے گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور

اس یقین سے اپنے باطن کو منور رکھے کہ اگر وہ خدا کو نہیں دیکھ رہا ہے تو خدا تو بہر حال اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہی احسان تقویٰ کی اصل روح اور حدودِ الٰہی کا اصل پاسبان ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان تقویٰ اور پرہیزگاری کی نمائش کرتے ہوئے حدودِ الٰہی کے توڑنے کے لیے ہزار چور دروازے پیدا کر سکتا ہے۔ آخر یہود نے دینداری کے مظاہرے کے ساتھ خدا کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو جائز کرنے کی کتنی راہیں کھول لیں۔ سبت کے لیے جو حیلۂ شرعی انھوں نے ایجاد کیا اس کی طرف یہاں بھی آگے اشارہ آ رہا ہے۔ یہی صورت اس امت میں بھی پیش آئی۔ یہاں تک کہ کتاب الحیل ہماری فقہ کا ایک جزو بن گئی۔ ایسے دین داروں یا تقویٰ کی خدا کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو احسان کی صفت سے متصف ہوں۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُہٗٓ اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّخَافُہٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَہٗ مِنْکُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ ھَدْیًۢا بٰلِغَ الْکَعْبَۃِ اَوْ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِہٖ ؕ عَفَا اللّٰہُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰہُ مِنْہُ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُہٗ مَتَاعًا لَّکُمْ وَلِلسَّیَّارَۃِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ (۹۴-۹۶)

سورہ کے شروع (آیت ۱) میں حالتِ احرام میں شکار کی جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس سے متعلق بعض تفصیلات اور بعض سوالوں کے جواب جو بعد میں نازل ہوئے وہ یہاں بیان ہو رہے ہیں۔

پیش آنے والی آزمائشوں سے آگاہی

لَیَبْلُوَنَّکُمُ اللّٰہُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُہٗٓ اَیْدِیْکُمْ وَرِمَاحُکُمْ، یہ اس آزمائش سے آگاہ فرمایا جا رہا ہے جو حالتِ احرام میں دفعۃً شکار نظر آ جانے کی وجہ سے پیش آ سکتی ہے چونکہ یہ ممانعت اصلاً کی ہی اس لیے گئی ہے کہ لوگوں کے ایمان و تقویٰ کو جانچا جائے اس لیے پہلے سے خبردار کر دیا گیا کہ ایسے مواقع پیش آئیں گے کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو گے اور تمھیں نظر آئے گا کہ ہرنوں یا نیل گائے کی پوری ڈار کی ڈار ہے جو بالکل تمھارے نیزوں کی زد میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آزمائش کے ان مواقع پر اپنے عزم و ایمان کی حفاظت کرنا، اس طرح پھسل نہ جانا جس طرح بنی اسرائیل سبت کے معاملے میں پھسل گئے۔

اس تنبیہ کی اہمیت

اس تنبیہ کی اہمیت اچھی طرح سمجھنے کے لیے چند باتیں ذہن میں مستحضر کر لیجیے۔ ایک تو یہ کہ شکار بجائے خود بڑی رغبت کی چیز ہے بالخصوص اہلِ عرب کے لیے جن کی تفریح اور معاش دونوں چیزوں کا انحصار بڑی حد تک اس زمانے میں شکار ہی پر تھا۔ دوسری یہ کہ جب کسی مرغوب چیز پر کوئی پابندی عائد ہو جاتی ہے تو اس کی رغبت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ عربی میں مثل ہے الانسان حریص علی ما منع انسان جس

چیز سے روک دیا جائے اس کا بڑا حریص ہو جایا کرتا ہے۔ اس حرص کا نفسیاتی اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جس طرح ساون کے اندھے کو ہر جگہ ہرا ہرا نظر آتا ہے، اسی طرح اس کو بھی ہر جگہ وہی چیز نظر آتی ہے جس سے وہ اپنے کو محروم پاتا ہے۔ تیسری یہ کہ یہ مناہی جب اصلاً امتحان کے لیے ہوتی ہے تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے مواقع پیدا فرمائے کہ اس امتحان کا مقصد پورا ہو۔

بنی اسرائیل اور امت مسلمہ کے امتحان کی مماثلت

یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ اس امت کے لیے یہ امتحان بنی اسرائیل کے اس امتحان سے مشابہ ہے جو ان کو سبت کے معاملے میں پیش آیا۔ قرآن میں اس کا ذکر اس طرح ہوا۔

اِذْ يَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ (اعراف - ۱۶۳)	اور یاد کرو جبکہ وہ سبت کے معاملے میں حدود الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے، جب کہ ان کی مچھلیاں ان کے سبت کے دن منہ اٹھائے ہوئے نمودار ہوتی تھیں اور جب سبت کا دن نہ ہوتا تو مچھلیاں نمودار نہ ہوتیں۔ اسی طرح ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے بوجہ اس کے کہ وہ برابر نافرمانی کرتے تھے۔

ان دونوں مقامات پر غور کیجیے تو دونوں کی مماثلت بالکل واضح ہو جائے گی۔ بنی اسرائیل کی آزمائش کی نوعیت یہ تھی کہ جو دن ان کے سبت کا ہوتا اس دن مچھلیاں منہ اٹھائے ہوئے سطح آب پر نظر آتیں لیکن جو دن سبت کا نہ ہوتا اس دن وہ نظر نہ آتیں۔ اس چیز نے ان کو اس فتنے میں ڈال دیا کہ انھوں نے سبت کے دن شکار کے لیے ایک حیلہ ایجاد کر لیا۔ اسی طرح اس امت کے امتحان کے بارے میں فرمایا ہے کہ حالت احرام میں بسا اوقات تمھیں ایسا نظر آئے گا کہ شکار بالکل تمھارے ہاتھوں اور تمھارے بھالوں کے نیچے ہے۔ مبادا یہ چیز تمھیں اسی طرح کے کسی فتنہ میں مبتلا کر دے جس طرح کے فتنہ میں بنی اسرائیل مبتلا ہو گئے۔

یہاں 'بِشَیْءٍ' کے لفظ، بالخصوص اس کی تنکیر، سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ ہر چند یہ آزمائش پیش تو آئے گی لیکن یہ بہت سخت نہیں بلکہ ہلکی ہوگی۔ یہ چیز اس آخری شریعت کے مزاج کو ظاہر کرتی ہے کہ اس کے ہر پہلو میں انسانی فطرت کی پوری پوری رعایت ملحوظ ہے۔

ابتلائی احکام کا اصلی پہلو

'لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ'، یہ اس آزمائش کا مقصد بیان ہوا ہے۔ 'عَلِمَ يَعْلَمُ' کے معنی ہم دوسری جگہ بیان کر چکے ہیں کہ تمیز کرنے کے بھی آتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ امتحان اللہ تعالیٰ نے اس لیے رکھا ہے کہ وہ ان لوگوں کو ممیز کرے جو غیب میں رہتے خدا سے ڈرتے ہیں۔ یہاں مقابل کا جملہ محذوف ہے یعنی ان لوگوں سے ممیز کرے جو غیب میں رہتے خدا سے نہیں ڈرتے۔ ابتلائی احکام سے متعلق ہم یہ حقیقت اس سورہ کے آغاز میں واضح کر چکے ہیں کہ ان کا اصلی مقصود خدا کے ساتھ بندوں کی وفاداری کا امتحان ہوتا ہے۔ بظاہر وہ بندوں کے مصالح کے نقطۂ نظر سے ایک عام آدمی کو بے حکمت نظر آتے ہیں لیکن

حقیقت میں ایمان بالغیب اور خشیت بالغیب کے جانچنے کے لیے وہی اصلی کسوٹی ہوتے ہیں۔

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ میں بَعْدَ ذٰلِكَ کا زور اس تنبیہ و تذکیر پر ہے جو یہاں کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت کے بعد یہ آگاہی بھی تمہیں سنا دی گئی ہے کہ اس راہ میں تمہیں اس طرح کی آزمائشیں بھی پیش آنی ہیں جس طرح کی تم سے پہلی امت کو پیش آئی ہیں تو جس نے اس آگاہی کے بعد بھی حدودِ الٰہی کی خلاف ورزی کی اس کے لیے عذاب دردناک ہے۔

حالتِ احرام میں عمداً شکار کا کفارہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا الآیۃ۔ اب یہاں اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کوئی شخص حالتِ احرام میں ہونے کے باوجود عمداً اس گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو اس کا کیا حکم ہے۔ ارشاد ہوا کہ ایسا شخص کفارہ ادا کرے جس کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح کا جانور اس نے شکار کیا ہے اسی قبیل کا جانور گھریلو چوپایوں میں سے کفارہ کی قربانی کے لیے خانہ کعبہ بھیجے اگر یہ متعذر ہو تو اس جانور کی قیمت کی نسبت سے مسکینوں کو کھانا کھلائے، اگر یہ اس کے لیے دشوار ہو تو آخری درجے میں اتنے روزے رکھ دے جتنے مسکینوں کو کھانا کھلانا اس پر عائد ہوتا ہے۔ رہا اس امر کا فیصلہ کہ شکار کردہ جانور کا مثل اور بدل پالتو چوپایوں میں سے کون چوپایہ ہو سکتا ہے تو اس کا فیصلہ اور اس کے متعذر ہونے کی صورت میں اس کی قیمت یا مساکین یا روزوں کی تعداد کا فیصلہ تو یہ کام مسلمانوں میں سے دو ثقہ آدمی کریں گے تاکہ جرم کے مرتکب کے لیے اپنے نفس کی جانبداری کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

خطا کی صورت میں حکم اور بعض متعلق مسائل

قرآن کے الفاظ سے مجھے یہی بات قوی معلوم ہوتی ہے۔ اکثر لوگ اس معاملے میں خطا اور عمد کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ مجھے الفاظ قرآن کی روشنی میں سعید بن جبیر کا مذہب مضبوط معلوم ہوتا ہے جو خطا کی صورت میں کفارہ کے قائل نہیں۔ اس کی تائید میں ایک قول حضرت حسنؒ کا بھی ہے۔ اسی طرح جو لوگ شکار کردہ جانور کی مثلیت کا فیصلہ ہر شکل قیمت ہی کے ذریعہ سے کرنے کے قائل ہیں، اس کے بعد وہ اختیار دے دیتے ہیں کہ چاہے کوئی شخص اس قیمت کے جانور کی قربانی دے، چاہے اسی نسبت سے مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا روزے رکھ دے تو یہ بات بھی کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتی۔ جب واضح طور پر پالتو جانوروں میں شکار کے جانوروں کے بدل موجود ہیں مثلاً ہرن کی جگہ بکری، دنبہ، مینڈھا وغیرہ، نیل گاؤ اور گورخر کی جگہ گائے وغیرہ تو مثلیت کے فیصلے کے لیے قیمت ہی کیوں معیار قرار پائے، شکار کردہ جانور کا بدل موجود نہ ہو تب تو بلاشبہ قیمت ہی اس کا بدل ہو سکتی ہے لیکن ہر حالت میں اسی کو معیار قرار دینا الفاظ قرآن کے خلاف ہے۔ یہ بات بھی کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتی کہ کفارہ کی مذکورہ تینوں شکلوں میں کفارہ دینے والے کو یکساں اختیار ہے، چاہے روزے رکھ دے چاہے مسکینوں کو کھانا کھلا دے چاہے قربانی کر دے بلکہ ان میں ترتیب معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات کہ اَوْ تخییر کے لیے آتا ہے اگرچہ صحیح ہے لیکن قرینہ موجود ہو تو یہ ترتیب کو بھی مستلزم ہے جیسا کہ اسی سورہ کی آیت ۱۰۶ میں ہے۔ اس وجہ سے میں امام

اور زمخشری کے مذہب کو قوی سمجھتا ہوں جو یہاں ترتیب کے قائل ہیں۔

'وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ' اسی طرح کی تنبیہ ہے جس طرح کی تنبیہ اوپر والی آیت میں فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کے الفاظ میں وارد ہوئی ہے۔ یہ تنبیہ بہت سخت ہے اور اس سختی کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ یہ اسی طرح کا امتحان ہے جس طرح کا امتحان سبت کے معاملے میں بنی اسرائیل کا ہوا اور جس میں فیل ہونے پر ان کو نہایت عبرت انگیز سزا ملی۔ یہ کفارہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ جو رکھا ہے تو یہ نافع اسی شکل میں ہے جب اس کے ساتھ مخلصانہ توبہ پائی جائے۔ اگر دل کا رجوع اس کے ساتھ شامل نہ ہو بلکہ آدمی یہ خیال کر کے نافرمانی کرتا ہے کہ گرفت ہوئی تو کفارہ دے لیں گے تو ایسے لوگ خدا کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔

ایک سخت تنبیہ

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا الاٰية

مذکورہ بالا نہی سے جو شکار مستثنیٰ ہے، یہ اس کا بیان ہے۔ یہود کے لیے جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، سبت کے دن دریائی شکار بھی ممنوع تھا، اس امت کے لیے حالتِ احرام میں خشکی کا شکار ممنوع ہوا لیکن دریائی شکار مباح رہا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ فرق اس بنیاد پر ہو کہ اہلِ عرب کے لیے زیادہ کشش خشکی کے شکار میں تھی اور یہود کے لیے، ان کے جائے رہائش کے لحاظ سے، دریائی شکار میں۔ یہ ایک امتحان ہے اور امتحان میں اگر یہ پہلو ملحوظ ہو تو یہ اس کے مزاج سے مناسبت رکھنے والی بات ہے۔

بنی اسرائیل اور امتِ مسلمہ کا امتحان میں فرق

'صَيْدُ' کا لفظ جس طرح غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ میں مصدری معنی میں ہے چنانچہ وہاں وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا نے کر اس کے مصدری معنی میں ہونے کو واضح بھی کر دیا ہے۔ اسی طرح ہمارے نزدیک یہاں بھی مصدری معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک خشکی کا تعلق ہے اس کا شکار کرنا تو محرم کے لیے ممنوع ہے لیکن کسی غیر محرم کا کیا ہوا شکار کھانا، اگر کسی پہلو سے اس شکار میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کے لیے ممنوع نہیں ہے۔ رہا دریا کا شکار تو اس کا شکار کرنا اور دوسرے کا کیا ہوا شکار کھانا دونوں محرم کے لیے جائز ہے۔ یہ رخصت اللہ تعالیٰ نے اس لیے عطا فرمائی ہے کہ محرمین اور اہلِ قافلہ کو زادِ راہ کے معاملے میں آسانی ہو۔ خشکی کے سفر میں اگر زادِ راہ ختم ہو جائے تو اس کے حاصل کرنے کی راہیں کھلی رہتی ہیں۔ دریائی سفر میں اگر یہ زحمت پیش آجائے تو شکار کے سوا کوئی اور راہ باقی نہیں رہ جاتی۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ یہود کو جو شکار کی ممانعت تھی وہ تو صرف ہفتہ میں ایک دن کے لیے تھی۔ اس وجہ سے کسی ناقابلِ حل زحمت کے پیش آنے کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اس امت کو یہ ممانعت پورے دورانِ احرام کے لیے ہوئی۔ دریائی سفر کرنے والے قافلوں کو بعض حالات میں ناقابلِ حل مشکل پیش آسکتی تھی اس وجہ سے دریائی شکار کے معاملے میں یہ رعایت ہوئی۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا

اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۝ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ ۝ قُلۡ لَّا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوۡ اَعۡجَبَکَ کَثۡرَۃُ الۡخَبِیۡثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰۤاُولِی الۡاَلۡبَابِ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (۹۷-۱۰۰)

تمام شعائر کے احترام کی تاکید

اوپر والی بات اصلاً شعائر الٰہی کے احترام سے تعلق رکھنے والی بات ہے اس وجہ سے اس کے بعد دوسرے معروف شعائر، بیت اللہ، شہر حرام اور ہدی اور قلائد کی بھی یاد دہانی فرما دی کہ ان کے احترام سے متعلق بھی جو ہدایات دی گئی ہیں ان کو بھی حرزِ جان بناؤ۔ کسی پہلو سے ان کی حرمت میں کوئی فرق نہ آئے۔ کعبہ کی وضاحت 'بیت الحرام' کے لفظ سے یہاں اسی پہلو کی طرف توجہ دلانے کے لیے کی گئی ہے کہ یہ خدا کا محترم ٹھہرایا ہوا گھر ہے، اس کے احترام کے حدود و قیود مقرر ہیں، ان حدود و قیود کی ہر حال میں نگہداشت رہے۔ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ پر سورۂ بقرہ کی تفسیر میں مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا کے تحت ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ ذریت ابراہیم کی تمام دینی، سیاسی اور معاشی شیرازہ بندی اسی گھر کی بدولت تھی اور بعثت نبوی کے بعد یہی گھر ہے جو تمام امت کا قبلہ اور مرکز ہے۔ اَلشَّہۡرَ الۡحَرَامَ سے مراد یہاں کوئی مخصوص مہینہ نہیں بلکہ تمام اشہر حرم کے لیے یہ بطور اسم جنس کے استعمال ہوا ہے۔ ان مہینوں کی دینی و دنیوی برکات پر ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گفتگو کر چکے ہیں۔ ہدی اور قلائد کی وضاحت اسی سورہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔ ہمارے نزدیک تقدیر کلام یوں ہے۔ جَعَلَ اللّٰہُ الۡکَعۡبَۃَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّہۡرَ الۡحَرَامَ وَالۡہَدۡیَ وَالۡقَلَآئِدَ شَعَآئِرَ یعنی اللہ نے کعبہ بیت محترم کو لوگوں کے لیے مرکز اور شہر حرام، ہدی اور قلائد کو شعائر کا درجہ دیا چونکہ یہ بات سیاق کلام سے بالکل واضح تھی اس وجہ سے لفظ شعائر کو حذف کر دیا۔

شعائر کی حکمت

ذٰلِکَ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ الآیۃ، ذٰلِکَ کا اشارہ مذکورہ بالا شعائر کی طرف ہے اور یہ حکمت بیان ہوئی ہے ان شعائر کے مقرر کیے جانے کی کہ اللہ نے یہ اس لیے مقرر فرمائے ہیں کہ تمھارے اندر خدا کے فعلاً وصفتاً علیم و خبیر ہونے کا عقیدہ پوری طرح راسخ ہو جائے۔ ہم اوپر آیت ۹۴ میں لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّخَافُہٗ بِالۡغَیۡبِ کے تحت اشارہ کر چکے ہیں کہ شعائر درحقیقت ابتلاء و امتحان کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے امتحان کرتا ہے کہ کون اس سے غیب میں رہتے ڈرتے ہیں، کون نہیں ڈرتے۔ ظاہر ہے کہ اس امتحان میں پورے وہی اترتے ہیں اور وہی اتر سکتے ہیں جن کے اندر یہ علم راسخ ہوتا ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب کو خدا جانتا ہے۔ جن کے اندر یہ عقیدہ پختہ ہوتا ہے وہی ہیں جو غیب میں رہتے اور خدا سے ڈرتے ہیں اور یہی غیب میں رہتے خدا سے ڈرنا تمام خشیت و تقویٰ اور سارے اسلام و ایمان کی روح ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کو فعلاً بھی بیان کیا ہے اور صفتاً بھی اس لیے کہ خدا کا علم ماضی، حاضر، مستقبل، ظاہر، باطن، غائب، موجود، مضمر سب پر محیط ہے اور انسان کا خدا کے علم کے متعلق یہی عقیدہ ہے جو اس کے اندر خشیت بالغیب پیدا کرتا ہے۔

تنبیہ اور بشارت

اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، یہ تنبیہ اور بشارت دونوں ساتھ ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا سے بے خوف ہو کر اس کے شعائر کی بے حرمتی کریں گے اللہ ان کو سخت سزا دے گا اور جو لوگ غیب میں رہتے اس سے ڈرتے رہیں گے اور اس کے شعائر کا کماحقہٗ احترام کریں گے ان کے لیے وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الآیۃ یہ دوسری تنبیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے رسول پر ذمہ داری صرف واضح طور پر ہماری ہدایات کو پہنچا دینے کی ہے۔ یہ فرض رسول نے ادا کر دیا۔ اب آگے ذمہ داری تمھاری ہے۔ تم مانو یا نہ مانو۔ مانو گے تو اس میں تمھاری ہی بھلائی ہے، نہ مانو گے تو اس کا انجام خود دیکھو گے۔ یاد رکھو کہ جو تم ظاہر کرتے ہو خدا اس کو بھی جانتا ہے اور جو چھپاتے ہو اس سے بھی باخبر ہے۔

کسی برائی کی کثرت اس کے جواز کی دلیل نہیں ہے

قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ یہ بھی اسی سلسلے کی ایک تنبیہ ہے اور بہت بڑی تنبیہ ہے۔ خبیث اور طیب، پر ہم دوسرے مقام میں بحث کر کے بتا چکے ہیں کہ ان کا اطلاق بری اور اچھی اشیا پر بھی ہوتا ہے اور برے اور اچھے اشخاص پر بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح ان اشیا پر بھی ہوتا ہے جو مادی اعتبار سے بری اور اچھی ہوتی ہیں اور ان اشیا پر بھی جو عقلی اور اخلاقی اعتبار سے اچھی یا بری ہوتی ہیں۔ یہاں پیش نظر اشیا اور اشخاص دونوں ہیں لیکن جہاں تک اچھائی اور برائی کا تعلق ہے، وہ صرف اخلاقی پہلو سے زیر بحث ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک خیر و شر، نیکی اور بدی، فسق اور تقویٰ، نیکوکار اور بدکار دونوں یکساں نہیں ہیں۔ خدا خیر مطلق اور سراپا حق و عدل ہے۔ اس وجہ سے وہ صرف خیر کو پسند کرتا ہے، شر کو پسند نہیں کرتا، وہ صرف طیب کو قبول فرمائے گا، خبیث کے لیے اس کے ہاں جہنم کی آگ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ جو لوگ خدا کی نافرمانی اور اس کے شعائر کی توہین کر کے اپنے آپ کو خبیث بنا لیں گے، یاد رکھیں کہ خدا ان کو دوزخ میں جھونک دے گا، فوز و فلاح صرف ان کو حاصل ہو گی جو خدا سے ڈرتے رہیں گے۔ اس کے احکام و شعائر کا احترام کریں گے اور اپنے آپ کو طیب و پاکیزہ بنائیں گے۔ گویا یہ اوپر والے مضمون اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کی تکمیل ہے۔ اس کے بعد وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ کہہ کر اس راہ کے سب سے بڑے فتنے سے آگاہ فرما دیا۔ وہ یہ کہ بہت سے نادانوں کے لیے کسی برائی کی کثرت نہ صرف اس کی تقلید کے لیے محرک بلکہ اس کے جواز و استحسان کی ایک دلیل بن جاتی ہے۔ جو فتنہ عام ہو جاتا ہے اور جو بدی فیشن میں داخل ہو جاتی ہے وہ اپنے دروازے بھی اس کے لیے چوپٹ کھول دیتے ہیں۔ اول تو ان کا ضمیر اس سے کوئی انقباض محسوس ہی نہیں کرتا اور اگر شروع شروع میں کچھ محسوس کرتا بھی ہے تو وہ اس کو اس طفل تسلی سے مطمئن کر لیتے ہیں کہ بھلا اس زمانے میں کوئی اپنے آپ کو اس چیز سے کس طرح الگ رکھ سکتا ہے؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو حمام میں ننگا دیکھ کر وہ خود بھی ننگے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ پورا معاشرہ ننگوں کا معاشرہ بن جاتا ہے اور پھر

حالت یہ ہو جاتی ہے کہ شریف اور مہذب وہ نہیں کہلاتا جو کپڑے پہن کر نکلتا ہے بلکہ وہ کہلاتے ہیں جو اپنی عریانی کی نمائش کرتے یا کرتی ہیں۔ اگر ان سے ان کے اس رویہ کے جواز کی دلیل پوچھیے تو وہ اس کے حق میں جو سخن سازی بھی کریں اس کی تہ میں صرف یہ چیز نکلے گی کہ کیا کیا جائے، یہی زمانہ کا چلن اور یہی وقت کا فتویٰ ہے یعنی اکثریت کا عمل ان کے لیے دلیل راہ بن جاتا ہے اور دانش فروشی کی تمام لن ترانیوں کے ساتھ جس ڈگر پر سارا گلہ چل رہا ہوتا ہے وہ بھی اسی پر چل پڑتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ سے یہاں یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اگرچہ کسی برائی کا غلبہ اور خبیث کی کثرت اپنے اندر کشش تو رکھتی ہے لیکن اس کشش سے مغلوب ہو کر جو اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتے ہیں وہ سب سفہا اور حمقا میں داخل ہیں، اولوا الالباب اور اہل عقل وہ ہیں جو اس دبائے عام میں بھی اس کے اثرات سے محفوظ اور تقویٰ کی راہ پر گامزن رہتے ہیں یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں اس لیے کہ خدا کے ہاں نہ خبیث و طیب دونوں یکساں ہوں گے اور نہ خبیث اس لیے طیب بن جائے گا کہ اس کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِن تَسْـَٔلُوا۟ عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ ٱلْقُرْءَانُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهَا ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا۟ بِهَا كَٰفِرِينَ (۱۰۱-۱۰۲)

غیر ضروری سوالوں کی ممانعت

یہ بھی برسر موقع ایک تنبیہ ہے۔ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اوپر ان سوالوں کے جواب دیے گئے ہیں جو ابتدائے سورہ میں بیان کردہ احکام سے متعلق پیدا ہوئے یا پیدا ہو سکتے تھے۔ اب یہ تنبیہ فرمائی کہ جو مفید سوال تھے ان کے جواب دے دیے گئے لیکن ایسے سوال نہ کرو جن کے جواب اگر دے دیے جائیں تو تمہارے مزاج اور تمہاری خواہش کے خلاف پڑنے کے سبب سے وہ تمہیں برے لگیں گے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح فرما دی کہ یہ زمانہ نزول قرآن کا زمانہ ہے، یہ زمانہ بارش کے ایام سے مشابہ ہے۔ بارش کے زمانہ میں جس طرح ہر بیج اگ پڑتا ہے اسی طرح اس زمانے میں جو سوال بھی کرو گے اس کا جواب نازل ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے سوچ سمجھ کر وہی سوالات کرو جو دنیا اور آخرت میں تمہارے لیے نافع اور علم شریعت میں اضافہ کے موجب ہوں۔ غیر ضروری سوالات اٹھا کر اپنی پابندیوں میں اضافہ کی راہ نہ کھولو۔ خدا بخشنے والا اور بردبار ہے۔ اس وجہ سے اس نے تمہارے بے ضرورت سوالات نظر انداز کر دیے ہیں۔ اگر ان کے بھی جواب دے دیے جاتے تو ہو سکتا ہے کہ تم ان کو نباہ نہ پاتے اور اس طرح اپنے ہی ہاتھوں اپنی راہ میں کانٹے بونے والے اور خدا کے غضب کو دعوت دینے والے بنتے۔

اس کے بعد بطور مثال ایک قوم کا حوالہ دیا ہے۔ مراد تو اس سے بالبداہت یہود ہیں لیکن ان کا نام نہیں لیا ہے بلکہ ان کا ذکر نکرہ کے ساتھ کیا ہے جس سے فی الجملہ اعراض اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ انھوں نے بھی اپنے نبی سے اسی طرح کے سوالات و مطالبات کیے لیکن

جب ان کو جواب دے دیے گئے تو وہ ان کے منکر بن بیٹھے۔ ان کے سوالوں کی نوعیت سورۂ بقرہ میں گائے کے قصہ سے واضح ہو چکی ہے اور پچھلی سورتوں میں یہ بات بھی ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ درحقیقت ان کے اسی طرح کے سوالات تھے جن سے انھوں نے اپنی ان قیدوں اور پابندیوں میں اضافہ کرایا جن کو قرآن نے 'اصر و اغلال' سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے غیر ضروری سوالوں کو نظرانداز فرما کر ہمیں اصر و اغلال سے بچا لیا ہے اور ان معاملات کو ہمارے عقل و اجتہاد پر چھوڑ دیا جن میں ہماری عقل و فطرت ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ یہ شریعت آخری اور کامل شریعت ہے، اس میں کوئی بات بھی معیار سے مختلف نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا جو اس کو معیار پر لاتا۔ اس کے برخلاف یہود کی شریعت ایک وقتی شریعت تھی، اس میں اگر اصر و اغلال تھے تو وہ، جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے، آخری پیغمبر کے ذریعہ سے دور ہو گئے۔

'قَدْ سَاَلَهَا' میں ضمیر کا مرجع مذکورہ سوال ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھوں نے بعینہٖ وہی سوالات کیے جن کی طرف اوپر اشارہ ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس نوعیت کے سوالات کیے۔ عربی میں ضمیروں کا استعمال اس طرح بھی ہوتا ہے۔ قرآن میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ ہم مناسب محل میں اس پر مفصل گفتگو کریں گے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۰۳-۱۰۵)

غیر مشروع شعائر سے اجتناب کی ہدایت

اوپر آیت ۹۷ میں ان چیزوں کا ذکر ہوا ہے جن کو اللہ نے شعائر کا درجہ دے کر محترم قرار دیا ہے۔ اس کے بعد چند مناسب موقع تنبیہات آ گئیں۔ اب یہاں ان مشرکانہ چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کو مشرکین نے شعائر کا درجہ دے کر مذہبی تقدس کا جامہ پہنا رکھا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں سے کسی چیز کو بھی مشروع نہیں کیا تھا۔ مشرکین نے محض من گھڑت طور پر ان کو ایجاد کیا، ان کے احترام کی روایت قائم کی اور پھر اپنی ان بدعات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا کہ اس نے ان کے احترام کا حکم دیا ہے۔ گویا مشروع کے بیان کے بعد اس کے مقابل کی غیر مشروع چیزوں کا بھی ذکر فرما دیا تاکہ مسلمان ان سے اجتناب کریں۔

'مَا جَعَلَ اللّٰهُ'، 'جعل'، یہاں مشروع کرنے کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ نے یہ چیزیں مشروع نہیں فرمائی ہیں۔

'بَحِيْرَة' اس اونٹنی کو کہتے جس سے پانچ بچے پیدا ہو چکے ہوتے اور ان میں آخری نر ہوتا۔ ایسی

اونٹنی کے کان چیر کر اس کو آزاد چھوڑ دیتے، نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کا دودھ دوہتے۔

سَائِبَۃ اس اونٹنی کو کہتے جس کے متعلق اس کا مالک اپنی کسی بیماری میں یہ منت مانتا کہ اگر اس کو شفا ہو گئی تو وہ اس کو آزاد چھوڑ دے گا، نہ اس پر سواری کرے گا نہ اس کا دودھ دوہے گا۔

وَصِیْلَۃ بکری اگر مادہ جنتی تو اس کو اپنا حصہ سمجھتے، نر جنتی تو اس کو اپنے معبودوں کا حصہ سمجھتے اور اگر نر و مادہ دونوں ایک ساتھ جنتی تو اس کو وصیلہ کہتے اور ایسے نر کو بتوں کی نذر کے قابل نہ سمجھتے۔

حَام اس سانڈ اونٹ کو کہتے جس کی صلب سے کئی پشتیں پیدا ہو چکی ہوتیں۔ ایسے سانڈ کو بھی آزاد چھوڑ دیتے۔ نہ اس پر سواری کرتے، نہ بوجھ لادتے۔

یہ سب عرب جاہلیت کی تدریں اور منتیں تھیں۔ اس قسم کے جانور آزاد چھوٹے پھرتے، جس گھاٹ سے چاہتے پانی پیتے اور جس کی چراگاہ میں چاہتے چرتے۔ نہ ان کو کوئی روک سکتا نہ چھیڑ سکتا۔ ان کو مذہبی تقدس کا ایسا درجہ حاصل تھا کہ ہر شخص ان کے چھیڑنے کے وبال سے لرزہ براندام رہتا۔ قرآن نے واضح فرما دیا کہ ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ شرعی حیثیت صرف ہدی اور قلائد کی ہے۔ یہ چیزیں صرف اوہام کی ایجاد ہیں، جن کو شریعت کی طرف منسوب کرنا اللہ اور اس کی شریعت پر صریح اتہام ہے۔ جو لوگ عقل سے عاری ہیں انھوں نے ان احمقانہ چیزوں کو اللہ سے نسبت دے رکھی ہے۔

اندھی روایت پرستی کی مذمت

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ الآیۃ اوپر والی آیت میں یہ جو فرمایا ہے کہ وَاَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں) یہ اس کی دلیل بیان ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ ان لایعنی باتوں کو چھوڑ کر اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کے بتائے ہوئے طریقہ کی طرف آؤ تو بڑے فخر سے جواب دیتے ہیں کہ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا ہم نے اپنے باپ دادا کو جس طریقے پر پایا ہے ہمارے لیے وہی کافی ہے۔ فرمایا کہ کیا اس صورت میں بھی وہ باپ دادا ہی کی روایت کو حجت بنائیں گے جب کہ ان کے باپ دادا کو نہ تو کچھ علم رہا ہو اور نہ وہ ہدایت کی راہ پر رہے ہوں، یعنی کسی طریقہ کی صحت کی دلیل مجرد یہ چیز تو نہیں بن سکتی کہ وہ باپ دادا سے چلا آ رہا ہے، اس کے متعلق یہ معلوم کرنا بھی تو ضروری ہے کہ باپ دادا نے اس کو کسی علم اور کسی دلیل پر اختیار کیا تھا یا یونہی اختیار کر لیا تھا۔ اگر یہ تمیز غیر ضروری ہو جائے تو پھر تو یہ عقل، جو انسانیت کا وصف امتیازی ہے بالکل فالتو چیز بن کے رہ جائے۔

مسلمانوں کو تسلی کہ تمہاری ذمہ داری صرف حق پہنچا دینے کی ہے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، اوپر آیت ۹۹ میں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی تھی کہ رسول کی ذمہ داری صرف واضح طور پر حق پہنچا دینے کی ہے، اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا لوگوں کی اپنی ذمہ داری ہے۔ جو لوگ قبول نہ کریں گے ان کی پرسش خود ان سے ہونی ہے نہ کہ رسول سے۔ اسی طرح اس آیت

میں مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ جو لوگ اپنی عقل بیچ کر باپ دادا کی اندھی تقلید پر اڑ گئے ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، تم نے کلمۂ حق پہنچا دیا، اگر وہ نہیں مانتے تو اپنا بگاڑیں گے، تمہارا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ جو گمراہی کی راہ اختیار کرتا ہے وہ خود اپنی ہرزہ گردی کا انجام دیکھتا ہے۔ اس سے صحیح راہ بتانے والے کا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ تم نے ان کو سنبھالنے کی کوشش کر دی، اگر وہ نہیں سنبھلتے تو تم اپنی فکر کرو، ان کے غم میں پریشان نہ ہو۔ یہ مضمون قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے۔ انعام کی آیات ۱۵، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۶۹ کے تحت ہم اس پر مزید بحث کریں گے۔

بعض لوگوں کو اس سے یہ شبہ ہوا کہ مسلمانوں کو دوسروں کی ہدایت و ضلالت سے کوئی سروکار نہیں ہے، انھیں بس اپنے نفس کی فکر کرنی چاہیے۔ لیکن یہ خیال قطع نظر اس سے کہ مسلمانوں کے فریضۂ منصبی — شہادت علی الناس — کے خلاف ہے، خود اس آیت سے بھی بالکل بے جوڑ ہے۔ اس آیت سے جو بات نکلتی ہے وہ تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آپ کے صحابہؓ بھی کفار کی حق بیزاری دیکھ کر کبھی کبھی یہ خیال فرماتے کہ کہیں یہ چیز اس امر کا نتیجہ نہ ہو کہ جو فرض ابلاغ ان پر عائد ہوتا ہے اس میں کوئی کوتاہی ہو رہی ہو۔ تعالیٰ نے جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اسی طرح صحابہؓ کو بھی تسلی دی کہ اس تمہارا نہیں بلکہ یہ ان کے اپنے مزاج کا فساد ہے۔ تم نے اپنا فرض بخوبی انجام دے دیا، اب ان کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ اس باب میں کوئی پرسش تم سے نہیں ہونی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ۙ وَلَا نَكْتُمُ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ (۱۰۶)

تمام ابواب شہادت پر میثاق

یہ بھی ایک تکمیلی و اتمامی حکم ہے جس کی نوعیت ابتدائے سورہ میں بیان کردہ بعض احکام کی وضاحت ہے۔ سورہ کے شروع، آیت ۸ میں، مسلمانوں کو یہ ہدایت ہوئی ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ وہاں، جیسا کہ ہم اس آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں، اس عمومی شہادت کا بیان ہے جس کی ذمہ داری اس امت پر تمام خلق سے متعلق ڈالی گئی ہے۔ اب یہ اس شہادت کا عمل مسلمانوں کے آپس کے ایک جزوی معاملہ میں بیان کر کے اس باب کی گویا تکمیل فرمائی ہے اور اس آیت کو اس شہادت کبریٰ کے بیان کے ساتھ جوڑ دیا ہے جس کا ذکر آیت ۱۰۹ سے آ رہا ہے اور جو اس عظیم سورہ کا آخری مضمون ہے جس پر یہ سورہ ختم ہوئی ہے۔ اس آیت کا اس مقام میں جگہ پانا ایک تو اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ جب اس تکمیلی حکم پر میثاق لے لیا گیا تو گویا تمام ابواب شہادت پر میثاق لے لیا گیا، دوسرے اس امر

کو ظاہر کر رہا ہے کہ ہر چند یہ حکم ایک جزوی حکم ہے لیکن باعتبار اپنی اصل کے یہ بھی اسی شہادتِ کبریٰ کا ایک جزو ہے جس پر انبیاء علیہ السلام مامور ہوئے اور جس کو انھوں نے اس دنیا میں بھی انجام دیا اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ انھیں آخرت میں بھی کھڑا کرے گا۔

شہادت بر وصیت سے متعلق ہدایات

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّۃِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ۔ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اور حِیْنَ الْوَصِیَّۃِ یہ دونوں ظرف شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ سے تعلق رکھتے ہیں اور اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ اسی طرح کی ترکیب ہے جس طرح وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی موت کا وقت آجائے اور اسے اپنے مال سے متعلق کوئی وصیت بھی کرنی ہے تو اس کے لیے وہ مسلمانوں میں سے دو ثقہ آدمیوں کو گواہ بنا لے۔

اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃُ الْمَوْتِ اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور سفر ہی میں اس کو موت کا مرحلہ پیش آجاتا ہے اور گواہ بنانے کے لیے اسے دو مسلمان نہیں مل رہے ہیں تو بدرجۂ مجبوری غیر مسلموں ہی میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنا سکتا ہے۔

تَحْبِسُوْنَھُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوۃِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰہِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِہٖ ثَمَنًا وَّلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی وَلَا نَکْتُمُ شَھَادَۃَ اللّٰہِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ۔ یہ ہدایت اصل حکم اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ سے متعلق ہے۔ یعنی اپنوں میں سے جن دو معتبر گواہوں کو گواہی کے لیے منتخب کرو، اگر اندیشہ ہو کہ وہ اپنی گواہی کسی کی جانب داری میں کہیں بدل نہ دیں تو اس کو مؤکد کرنے کے لیے یہ تدبیر کر سکتے ہو کہ کسی نماز کے بعد مسجد میں انھیں روک لو اور ان سے اللہ کے نام پر قسم لے لو کہ وہ اپنی گواہی کسی نفع دنیوی کی خاطر اور کسی کی جانبداری میں، خواہ وہ ان کا عزیز ہی کیوں نہ ہو، بدلیں گے نہیں اور اگر وہ اس کو بدلیں تو وہ گنہگار ٹھہریں۔

مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوۃِ میں صَلٰوۃ سے مراد کوئی مخصوص نماز نہیں بلکہ یہ لفظ اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جس نماز کے بعد بھی وصیت کرنے والے کو موقع میسر آجائے، یہ کام کر سکتا ہے۔ نماز کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ جو قول و قرار اور جو شہادت و قسم نماز کے بعد اور مسجد میں نمازیوں کی موجودگی میں انجام پائے ایک صاحبِ ایمان سے توقع یہی کی جاتی ہے کہ وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہے گا، کسی ترغیب و تحریص سے اس کو بدلے گا نہیں۔ چنانچہ قسموں اور معاہدوں کے باب میں زمانۂ قدیم سے یہ رواج رہا ہے کہ ان کی تکمیل بالعموم معبدوں کے سامنے ہوتی۔ چونکہ اس چیز کی اثر انگیزی ایک فطری چیز ہے اس وجہ سے اسلام نے بھی اس کو اہمیت دی ہے۔ یہاں ایک شرط بھی مذکور ہے، وہ یہ کہ اگر گواہوں کے بارے میں کوئی شک ہو، تب یہ قسم لی جائے۔ اگر کوئی اندیشہ نہ ہو، گواہ ثقاہت و عدالت کے اعتبار سے ایسے مرتبے کے ہوں کہ ان کے بارے میں کسی سوءِ ظن کا احتمال نہیں ہے تو خواہ مخواہ ان سے قسم لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لَا نَکْتُمُ شَھَادَۃَ اللّٰہِ میں اس گواہی کو شَھَادَۃَ اللّٰہِ سے تعبیر کر کے اس کی عظمت واضح فرمائی ہے اس لیے کہ مومن کی

ہر گواہی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ کی رو سے اس عظیم فریضۂ منصبی کا ایک جزو ہے جس پر اللہ نے اس کو مامور فرمایا ہے، اگر اس میں ادنیٰ خیانت بھی اس سے صادر ہو تو وہ صرف بندوں ہی کا خائن نہیں بنتا ہے بلکہ اپنے رب کا بھی خائن بن جاتا ہے۔

ہم نے اس قسم کو اصل حکم یعنی اس صورت سے متعلق مانا ہے جب گواہ اپنوں، مسلمانوں، میں سے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مسلموں کے لیے نماز، مسجد، اللہ کے نام پر قسم اور وہ بھی ان الفاظ میں کہ لَا نَکْتُمُ شَھَادَۃَ اللّٰہِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ (ہم اس شہادتِ الٰہی کو چھپائیں گے نہیں، اگر ہم ایسا کریں تو ہم گنہگاروں میں سے ٹھہریں) بالکل غیر مؤثر چیزیں ہیں۔ اول تو وہ اپنے مذہبی جذبات کے خلاف ان باتوں کو گوارا کیوں کریں گے اور کر بھی لیں تو اس کا اثر ان پر کیا ہوگا؟ ان کی گواہی تو ایک مجبوری کی صورت میں گوارا کی گئی ہے اور ایک شاذ حالت سے متعلق ہے۔ اس وجہ سے ان کی گواہی کی حفاظت کے لیے یہ اہتمام ایک بالکل بے جوڑ سی چیز ہے۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓی اَنَّھُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَھُمَا مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْھِمُ الْاَوْلَیٰنِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰہِ لَشَھَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَھَادَتِھِمَا وَمَا اعْتَدَیْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۱۰۷)

عثر عثرا و عثورا علی السر کے معنی ہیں وہ راز سے آگاہ ہوا۔

اولیان، اولیٰ کا تثنیہ ہے جس کے معنی احق کے ہیں (اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ) الاولیان یعنی الاولیان بالشھادۃ شہادت کے زیادہ حق دار۔ ان سے مراد وہ دونوں گواہ ہیں جو میت کے ابتدائی گواہ بنائے گئے۔ چونکہ اپنے منصب کے اعتبار سے گواہی کے اصل حق دار وہی ہیں اس وجہ سے ان کو 'الاولیان' کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ یہاں اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ جب وہ اولی بالشھادۃ ہیں تو انھیں چاہیے کہ وہ اپنے اس منصب کی لاج رکھیں اور کسی ایسی بدعنوانی کے مرتکب نہ ہوں کہ اولی بالشھادۃ ہوتے ہوئے بھی ان کی شہادت دوسروں کی قسم سے باطل ہو جائے۔

یہ ان گواہوں پر ایک مزید احتساب اور چیک (   ) ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ بات علم میں آئے کہ انھوں نے وصیت کرنے والے کی وصیت کے خلاف کسی کی جانب داری یا کسی کی حق تلفی کی ہے تو جن کی حق تلفی ہوئی ہے ان میں سے دو آدمی اٹھ کر قسم کھائیں گے کہ ہماری گواہی ان دونوں اولیٰ بالشہادت گواہوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے، ہم نے ذرا بھی حق سے تجاوز نہیں کیا ہے، اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو ہم ظالموں میں سے ٹھہریں۔

ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّھَادَۃِ عَلٰی وَجْھِھَآ اَوْ یَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌ بَعْدَ اَیْمَانِھِمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (۱۰۸)

یہ اس احتساب کا فائدہ بتایا ہے کہ اقرب ہے کہ اس احتساب کے خیال سے وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں ورنہ انھیں ڈر ہوگا کہ اگر ان سے کوئی بدعنوانی صادر ہوئی تو ان کی قسمیں دوسروں کی قسموں سے باطل ہو جائیں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کی حق تلفی ہوتی ہے اگر وہ مذکورہ قسم کھالیں گے تو وصیت کے اصل گواہوں کی گواہی ان

کے اولیٰ بالشہادت ہونے کے باوجود رد ہو جائے گی "تُرَدَّ اَیۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ" میں "اَیۡمَانٌ" کی تنکیر اسی طرح کی ہے جس طرح "نَطۡمِسَ وُجُوۡہًا" میں ہے جس پر گفتگو ہو چکی۔

"وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاسۡمَعُوۡا وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ" یعنی اللہ سے ڈرو، پیغمبر کی بات مانو، جو اللہ سے نہیں ڈرتے اور پیغمبر کی بات نہیں سنتے وہ نافرمان ہیں اور اللہ ایسے نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرے گا، وہ دنیا میں بھٹکتے رہیں گے اور آخرت میں اپنے انجام بد سے دوچار ہوں گے۔

یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ (۱۰۹)

میثاق الٰہی کی ذمہ داری دنیا اور آخرت دونوں میں

یہاں سے اس سورہ کا بالکل آخری ٹکڑا شروع ہو رہا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام انبیاء کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا کہ انھوں نے اپنی اپنی امتوں کو کیا تعلیم دی تھی اور ان کی امتوں نے اس تعلیم کے باب میں کیا رویہ اختیار کیا؟ یہ سورہ کے آخر میں گویا اس حقیقت کی یاددہانی ہے کہ میثاق الٰہی کی ذمہ داری نبی اور امت دونوں پر عائد ہوتی ہے اور قیامت کے دن اس کے بارے میں دونوں سے سوال ہوگا۔ آگے ذکر اگرچہ صرف سیدنا مسیح سے سوال و جواب کا ہے لیکن آنجناب کا ذکر بطور مثال ہے۔ اس مثال سے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اسی طرح کے سوال و جواب ہر نبی سے اس کی امت کے بارے میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہر امت پر اس کے نبی کی موجودگی میں واضح فرما دے گا کہ اس نے اللہ کے عہد کے معاملے میں اپنے نبی کی تعلیم کی کیا کیا خلاف ورزیاں کی ہیں۔ مثال کے طور پر سیدنا مسیح کے انتخاب کی حکمت یہ ہے کہ وہ اسرائیلی سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ ان کی شہادت یہود و نصاریٰ کے لیے بھی سبق آموز ہو سکتی تھی اور اس امت کے لیے بھی۔ آنحضرتؐ کی شہادت اس مرحلہ میں اس لیے ذکر نہیں کی گئی کہ آپ کی امت ابھی دور تشکیل میں تھی۔ اس کا پورا کردار ابھی سامنے نہیں آیا تھا۔

انبیاء سے سوال ان کی امتوں کے رویہ سے متعلق

"مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ" کے سوال کا صحیح مفہوم موقع و محل سے واضح ہوتا ہے۔ انبیاء سے یہ سوال جو یہاں مذکور ہے ان کے منکروں سے متعلق نہیں کیا جائے گا بلکہ جیسا کہ واضح ہوا، ان کی امتوں سے متعلق کیا جائے گا کہ جن لوگوں کو تم نے اللہ کے عہد و میثاق میں داخل کیا ان کا رویہ اور رد عمل کیا رہا؟ انبیاء علیہم السلام پر سوال کی یہ حقیقت چونکہ واضح ہوگی اس وجہ سے وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کریں گے کیونکہ ان کا علم صرف دنیا میں اپنی موجودگی کے زمانے تک ہی محدود ہوگا اور اس سوال کے صحیح جواب کا انحصار اس امر پر ہے کہ انھیں اپنی امتوں کی بعد کی تبدیلیوں کا بھی علم ہو۔ چونکہ بعد کی تبدیلیوں کا انھیں علم نہیں ہوگا اس وجہ سے وہ اس جواب کے معاملے کو خدا ہی کی طرف تفویض کریں گے۔ آگے حضرت عیسیٰؑ کا ارشاد مذکور ہے "کُنۡتُ عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡہِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَاَنۡتَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ" (میں جب تک ان میں رہا ان پر گواہ رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ان پر نگران رہا اور تو ہر چیز پر نگران ہے)

اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ اذۡکُرۡ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذۡ اَیَّدۡتُّکَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ۟

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ۖ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ (۱۱۰)

یہاں حضرت عیسیٰؑ کے جو معجزات مذکور ہیں یہ سب سورۂ آل عمران میں بھی بیان ہو چکے ہیں سو ہاں ہم ان کی وضاحت کر چکے ہیں۔

وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ اشارہ بنی اسرائیل کی ان سازشوں کی طرف ہے جو انھوں نے سیدنا مسیحؑ کے قتل اور سولی کے لیے کیں۔

سوالات نصاریٰ کی فضیحت کے لیے

یہ تمام باتیں قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نصاریٰ پر حجت تمام کرنے کے لیے فرمائے گا۔ گویا حضرت عیسیٰؑ کی موجودگی میں نصاریٰ پر یہ حقیقت واضح کر دی جائے گی کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ پر جو انعام بھی ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا، انھوں نے جو معجزے بھی دکھائے سب اللہ کے اذن و حکم سے دکھائے اور یہودیوں نے ان کو جن خطرات میں ڈالا ان سے ان کو اللہ تعالیٰ ہی نے نکالا۔ پھر جب یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا اور اس کے سب سے بڑے گواہ خود عیسیٰؑ ہیں تو نصاریٰ بتائیں کہ انھوں نے کس کے کہنے سے ان کو خدا بنا ڈالا۔ یہاں بِاِذْنِیْ (میرے حکم سے) کی تکرار نہایت بلیغ ہے۔ ایک ایک بات پر اللہ تعالیٰ اس کو دہرائے گا اور ان میں سے ہر بات پر سیدنا مسیحؑ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہیں گے تو ظاہر ہے کہ جن معجزات کے بل پر نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا بنایا جب وہ سب خدا کے اذن سے ہوئے اور اس کا اعتراف خود معجزات کا دکھانے والا ہی کرے گا تو نصاریٰ کے حصے میں فضیحت اور رسوائی کے سوا اور کیا باقی رہ جائے گا۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ۝ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ قَالُوا نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَن قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ (۱۱۱-۱۱۵)

حواریین کو وحی بھیجنے کی حکمت

'وحی' کا لفظ یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں، بلکہ لغوی معنی میں ہے۔ یعنی دل میں کوئی ارادہ ڈالنا۔ 'حواری' کے لفظ پر دوسرے مقام میں بحث ہو چکی ہے۔ یہی حواریین ہیں جو پوری قوم کے اندر سے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے، انھی نے دعوت کے کام میں آپ کی مدد کی اور انھی کو آنجناب کے خلفا کی حیثیت حاصل ہوئی۔ ان کی

اس اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے سامنے بھی وہ حقائق پیش کرے گا جن سے نصاریٰ پر حجت پوری ہوگی۔ اس اتمامِ حجت کے چند پہلو یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ حواریین نے جس دین کو قبول کیا وہ نصرانیت و مجوسیت نہیں بلکہ اسلام ہے۔

دوسرا یہ کہ حواریین حضرت عیسیٰؑ کو عیسیٰ بن مریم کہتے تھے، ان کی الوہیت کا کوئی تصور ان کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو حضرت عیسیٰؑ اور تمام کائنات کا رب مانتے تھے۔

طلبِ مائدہ کی دعا کا مقصد

تیسرا یہ کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو بالذات معجزات کا دکھانے والا نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کو صرف ان کے ظہور کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ انھوں نے مائدہ کے اتارے جانے کے لیے جو درخواست کی وہ حضرت عیسیٰؑ سے نہیں کی کہ آپ ہمارے لیے مائدہ اتاریں بلکہ یہ درخواست کی کہ اگر یہ بات آپ کے خداوند کی حکمت کے خلاف نہ ہو تو آپ اس سے درخواست کیجیے کہ وہ ہمارے لیے مائدہ اتارے تاکہ اس سے ہمارے دلوں کو طمانیت حاصل ہو۔

جب یہ ساری باتیں سیدنا مسیحؑ، حواریین اور نصاریٰ کی موجودگی میں سامنے آئیں گی تو اس وقت وہ سارے جھوٹ آشکارا ہو جائیں گے جو مسیحیوں نے حضرت مسیحؑ یا حواریین پر باندھے ہیں اور جن کے ذریعے اپنی بدعات میں ان کو ملوث کیا ہے۔

سوال خدا کی قدرت سے متعلق نہیں، اس کی حکمت سے متعلق ہے

ھَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ کے سوال کے باب میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حواریین کا سوال خدا کی قدرت سے متعلق نہیں بلکہ اس کی حکمت سے متعلق تھا کہ اس قسم کی کھلی ہوئی نشانی دکھانا اس کی حکمت کے مطابق بھی ہوگا یا نہیں؟ حواریین باایمان لوگ تھے، وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے تھے کہ ان کی یہ درخواست مشابہ ہے اس مطالبہ سے جو بنی اسرائیل نے خدا کو دیکھنے کے لیے کیا تھا جس کے نتیجہ میں ان کو کڑک نے آدبوچا تھا۔ معجزات ہر چند خارق عادت ہوتے ہیں تاہم وہ اسباب کے پردے ہی میں ظاہر ہوتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ تمام پردے اٹھا دیے جائیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے مطالبات کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی جن میں خواہش ان حدود سے متجاوز ہو جائے جو معجزات کے ظہور کے لیے سنت اللہ میں مقرر ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیحؑ نے بھی اس سے روکا اور جب حواریین کی دوبارہ درخواست پر اس کے لیے درخواست فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اس درخواست کو پسند نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہوا کہ اتارنے کو تو میں مائدہ اتار دوں گا لیکن یاد رکھو کہ جو لوگ اتنی کھلی نشانیاں دیکھنے کے بعد کفر میں مبتلا ہوں گے ان کو سزا بھی وہ دوں گا جو کسی اور کو نہ دوں گا۔ معلوم ہوتا ہے اس کے بعد حواریین اپنی اس درخواست سے باز آ گئے۔ اہل تاویل میں سے بھی ایک گروہ کا یہی خیال ہے کہ اس کا نزول نہیں ہوا۔ انجیلوں میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۚ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ

أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (۱۱۶-۱۱۸)

نصاریٰ کی رسوائی آخرت میں

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ الآية اوپر جو باتیں مذکور ہوئی ہیں مقصود ان کے ذکر سے بھی اگرچہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، نصاریٰ کی تفضیح ہے لیکن وہ تفضیح بالواسطہ ہے۔ اب یہ اس سوال کا ذکر آ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے نصاریٰ کی اصل گمراہی کے بارے میں پوچھے گا کہ کیا تم نے نصاریٰ کو یہ تعلیم دی تھی کہ اللہ کے سوا مجھ کو اور میری ماں کو بھی معبود بناؤ۔ حضرت عیسیٰ جواب میں فرمائیں گے کہ بھلا میں ایسی بات زبان سے کس طرح نکال سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق نہیں تھا، نہ تو تو نے یہ کہنے کا مجھے مجاز کیا تھا، نہ دُنیا کی خلق و تدبیر میں میری کوئی حصہ داری تھی کہ میں اس کا مدعی بنتا۔ مقصود اس سوال و جواب سے یہ ہوگا کہ نصاریٰ جنھوں نے حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ کو خدا کا شریک بنایا، بھرے مجمع میں پوری طرح رسوا ہوں۔

أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ کے ٹکڑے پر آل عمران کی تفسیر میں ہم گفتگو کر چکے ہیں کہ یہ دراصل صحیح تعبیر ہے سیدنا مسیحؑ کے ارشاد 'میرا باپ اور تمھارا باپ' کی۔ اس کو وہاں دیکھیے۔

وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ، 'شہید' یہاں نگران کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں جب تک ان میں موجود رہا، اس وقت تک تو میں دیکھتا رہا کہ وہ کیا بنا رہے ہیں لیکن جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو مجھے کچھ پتہ نہیں کہ انھوں نے کیا بنایا اور کیا بگاڑا ــــ اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ مَاذَا أُجِبْتُمْ کے سوال کا یہی پہلو ہے جس کی بنا پر انبیاء علیہم السلام اپنی لاعلمی کا اظہار فرمائیں گے۔

نصاریٰ کی شفاعت سے سیدنا مسیحؑ کی براءت

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ الآية سیدنا مسیحؑ کے اس فقرے کی بلاغت کی تعبیر نہیں ہو سکتی۔ بظاہر دل چاہتا ہے کہ فقروں یوں ہوتا إِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ لیکن اگر یوں ہوتا تو یہ نہایت واضح الفاظ میں نصاریٰ کے لیے شفاعت بن جاتا اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ مشرکین کے لیے سفارش نہیں فرمائیں گے۔ اس وجہ سے سیدنا مسیحؑ بات ایسے اسلوب میں فرمائیں گے کہ بات سچی بھی ہو، دربارِ الٰہی کے شایانِ شان بھی ہو، دردمندانہ بھی ہو اور ان پر اس سے مشرکین و محرفینِ دین کی سفارش کی کوئی ذمہ داری بھی عائد نہ ہو۔ چنانچہ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ کے الفاظ پر غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ اس فقرے میں وہ تمام خوبیاں بھی موجود ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا اور ساتھ ہی یہ پہلو بھی موجود ہے کہ سیدنا مسیحؑ اپنے آپ کو ان کی شفاعت کی ذمہ داری سے بری کر لیں گے۔

قَالَ اللّٰهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝
(۱۱۹-۱۲۰)

'صادقین' کے لفظ پر ہم آل عمران آیت ۱۷ کی تفسیر میں بحث کر چکے ہیں۔ یہاں 'صادقین' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اپنے قول و قرار اور عہد و میثاق میں پورے راست باز ثابت ہوئے، اس میں انھوں نے کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں کی، زندگی کے تمام نشیب و فراز میں عزم و جزم کے ساتھ اللہ کی شریعت پر قائم رہے۔ من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ (اور مومنین میں وہ مردانِ کار بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے باندھے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا)۔

راست بازوں کی کامرانیوں کا دن

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج کا دن تو راست بازوں کی فتح مندیوں اور کامرانیوں کے ظہور کا دن ہے۔ بدعہدوں، خائنوں اور جھوٹی آرزوؤں میں زندگی گزارنے والوں کے لیے آج حسرت و نامرادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ جنھوں نے اللہ کے ساتھ اپنے عہد اخلاص و سچائی کے ساتھ پورے کیے ہیں ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یعنی ان کے رب نے جو کچھ ان سے چاہا انھوں نے اس کی رضا کے مطابق وہ پورا کر دکھایا اور انھوں نے اپنے رب سے جو امیدیں کیں ان کی توقعات اور ان کے تصورات سے ہزاروں لاکھوں درجہ اوپر وہ پوری ہوگئیں۔ فرمایا کہ اصلی بڑی کامیابی یہی ہے۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ اس سورہ کی تفسیر کی آخری سطریں ہیں جو سپردِ قرطاس ہوئیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

لاھور

۸ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

۱۱ دسمبر ۱۹۶۶ء